ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوّت

ملتان

8 شوّال المکرّم 1434ھ • اگست 2013ء

اُمّ المؤمنین سیدہ خدیجۃُ الطاہرۃُ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

(وصال: ۱۰ نبوی، رمضان المبارک)

ترجمہ: بھلا کئی جدا جدا آقا اچھے یا (ایک) خدائے یکتا و غالب (یوسف: ۳۹)

- نئے صدرِ مملکت کا انتخاب، امن وامان اور مسلم ممالک کی حالتِ زار
- انتخاب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
- 7 ستمبر یومِ تحفّظ ختمِ نبوت (یومِ قرار دادِ اقلیت)
- سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ
- کیا ملالہ لگار کھا ہے؟

بیاد مجدد بنی ہاشم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ـــــ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ معمورہ

بانی: سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

قائم شدہ: 28 نومبر 1961ء

دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان

خصوصیات

- ★ الحمدللہ مدرسہ معمورہ اپنے تعلیمی وفکری سفر میں ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے
- ★ حفظ وناظرہ قرآن اور درسِ نظامی میں درجہ متوسطہ سے مشکوٰۃ شریف تک داخلے
- ★ دارالافتاء کا قیام ★ صرف ونحو کا، ماہر اساتذہ کی نگرانی میں اجراء
- ★ علمی، فکری، اخلاقی اور روحانی تربیت ★ تقریر وتحریر کی تربیت ★ دارالمطالعہ کی سہولت
- ★ ماہانہ مجلس ذکر ★ سالانہ ختم نبوت کورس ★ طالبات کے لیے جامعہ بستانِ عائشہ میں حفظ وناظرہ قرآن، درسِ نظامی اور پرائمری، مڈل شعبوں میں تعلیم جاری ہے

تعمیری منصوبے

● وسیع بیسمنٹ ہال ● دارالقرآن ● دارالحدیث ● دارالمطالعہ

اور دارالاقامہ کے لیے 24 کمروں پر مشتمل دو منزلہ عمارت کی تعمیر شروع کی جارہی ہے۔

تخمینہ لاگت بیسمنٹ ہال (20,00,000) بیس لاکھ روپے، لاگت فی کمرہ چار لاکھ روپے ہے

تخمینہ لاگت درس گاہیں، ہاسٹل، لائبریری، مطبخ (1,00,00,000) ایک کروڑ روپے

صدقہ جاریہ میں حصہ لیں اور نقد وسامان تعمیر دونوں صورتوں میں تعاون فرما کر اجر حاصل کریں۔

نیز طلباء کی ضروریات کے لیے زکوٰۃ وعشر، صدقات اور عطیات سے تعاون فرمائیں۔

رابطہ

061 - 4511961
0300-6326621
majlisahrar@yahoo.com
majlisahrar@hotmail.com

ترسیلِ زر

بذریعہ بینک: چیک یا ڈرافٹ بنام سید محمد کفیل بخاری

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 0278-37102053

یو بی ایل، ایم ڈی اے چوک ملتان

الداعی الی الخیر: ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری

مہتمم مدرسہ معمورہ ملتان

ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

بیاد: سید الاحرار حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری قدس اللہ سرہ

بانی: ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

جلد 24 شمارہ 8 شوال المکرم 1434ھ ——— اگست 2013ء

Regd.M.NO.32, I.S.S.N.1811-5411

تشکیل

دل کی بات:	نئے صدرِ مملکت کا انتخاب، امن و امان اور مسلم ممالک کی حالتِ زار	مدیر	2
شذرات:	7 ستمبر یومِ تحفظِ ختمِ نبوت (یومِ قراردادِ اقلیت) اِسلامی نظریاتی کونسل کا کردار	عبداللطیف خالد چیمہ	4
دین و دانش:	اُمّ المؤمنین سیدہ خدیجۃ الطاہرۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا	امامِ اہلِ سنت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ	7
//	انتخاب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ	پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی	13
//	خاندانِ عثمانی کی بنو ہاشم سے رشتہ داریاں (قسط:۱)	مولانا حکیم محمود احمد ظفر	21
//	سلام، اے شہیدِ راہِ خدا، سلام	شاہ بلیغ الدین رحمۃ اللہ علیہ	29
ادبیات:	اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	شورش کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ	33
افکار:	کیا ملالہ ملالہ لگا رکھا ہے؟	وسعت اللہ خان	34
//	چلّو میں اُلّو	حبیب الرحمٰن بٹالوی	37
//	بڑا گدھا	ابوطلحہ عثمان ایم اے	41
حسنِ انتخاب:	سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ	کے۔ایل۔گابا	43
//	حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک یادگار واقعہ	روایت: مولانا غلام قادر رحمۃ اللہ علیہ	46
آپ بیتی:	ورق ورق زندگی (قسط:۲۷)	پروفیسر خالد شبیر احمد	48
مطالعۂ قادیانیت:	ماہِ رمضان میں قادیانیوں کی سرگرمیاں بڑھ گئیں	''اُمت'' رپورٹ	56
اخبار الاحرار:	مجلس احرارِ اسلام کی سرگرمیاں	ادارہ	61
ترحیم:	مسافرانِ آخرت	ادارہ	64

فیضانِ نظر

حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ سرپرستی

ابنِ امیرِ شریعت حضرت پیرجی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

مدیرِ مسؤل

سید محمد کفیل بخاری

kafeel.bukhari@gmail.com

رُفقاءِ فکر

عبداللطیف خالد چیمہ • پروفیسر خالد شبیر احمد

مولانا محمد مغیرہ • محمد عمر فاروق

قاری محمد یوسف احرار • میاں محمد اویس

سید صبیح الحسن ہمدانی

sabeeh.hamdani@gmail.com

سید عطاء المنان بخاری

atabukhari@gmail.com

تزئین

محمد نعمان سنجرانی

nomansanjrani@gmail.com

سرکولیشن منیجر

محمد یوسف شاد 0300-7345095

زرِتعاون سالانہ

اندرون ملک ——— 200/- روپے

بیرون ملک ——— 4000/- روپے

فی شمارہ ——— 20/- روپے

رابطہ

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

www.ahrar.org.pk

www.alakhir.com

majlisahrar@hotmail.com

majlisahrar@yahoo.com

☎061-4511961

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت شعبۂ تبلیغ مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل نو پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

ترسیلِ زر بنام: ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت

بذریعہ آن لائن اکاؤنٹ نمبر: 1-5278-100

بینک کوڈ: 0278 یو بی ایل ایم ڈی اے چوک ملتان

دل کی بات　　　　مدیر

نئے صدرِ مملکت کا انتخاب، امن وامان اور مسلم ممالک کی حالتِ زار

صدر زرداری کی مدتِ ملازمت کے اختتام کی نسبت سے نئے صدرِ مملکت کا انتخاب ۶ / اگست ۲۰۱۳ء کو ہونا تھا مگر مسلم لیگ (ن) اور اس کی حلیف جماعتوں کے مطالبے پر روزہ، اعتکاف اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے والے ''صالح اور متقی''، بجلی چور، کرپشن میں ملوث اور جعلی ڈگریوں والے اراکینِ اسمبلی کا لحاظ کرتے ہوئے عدالتِ عظمیٰ کے تین رکنی بینچ نے صدارتی انتخاب ۳۰ / جولائی کو منعقد کرانے کا حکم صادر فرمایا۔ پیپلز پارٹی نے عدالتی فیصلے پر احتجاج کرتے ہوئے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا چنانچہ رضا ربانی صدارتی انتخاب کی دوڑ سے باہر نکل گئے۔ تحریکِ انصاف کے جسٹس (ر) وجیہہ الدین اور مسلم لیگ (ن) کے ممنون حسین کے درمیان ہونے والے مقابلے میں مسلم لیگ کے ''ممنونِ احسان'' ممنون حسین کے صدر بننے کے امکانات روشن، قوی اور یقینی ہیں۔ آپ ان سطور کا مطالعہ کر رہے ہوں گے تو ممنون حسین پاکستان کے پندرہویں صدرِ مملکت منتخب ہو چکے ہوں گے۔

ایم کیو ایم اور جے یو آئی کا مسلم لیگ (ن) کے ساتھ ''تناظر اور تحفظات'' کا سیاسی رومانس کتنے دن چلے گا، یہ لیگی قیادت کی ہمت اور استقامت پر منحصر ہے۔ تجربہ کار اور کہنہ مشق سیاسی تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ ''شریفین'' محرومِ اقتدار ہوں تو ان کا دماغ چالیس فیصد کام کرتا ہے اور برسرِ اقتدار ہوں تو بالکل کام نہیں کرتا بلکہ ان کی سم ہی بند ہو جاتی ہے۔ صدرِ مملکت اور گورنر پنجاب کے انتخاب کے لیے ان کے فیصلے اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

پاکستان میں رائج چھیاسٹھ سالہ سیاسی روایت کے مطابق حصولِ اقتدار کے لیے عوام سے جو وعدے کیے جاتے ہیں وہ اقتدار میں آنے کے بعد پورے نہیں کیے جاتے۔ آج بھی قوم ایسی ہی افسوس ناک صورتِ حال سے دوچار ہے۔ مسلم لیگ (ن) نے لوڈ شیڈنگ کے خاتمے، امن وامان کے قیام اور مہنگائی کو کنٹرول کرنے کے دعوے کیے۔ لیکن صورتِ حال پہلے سے بھی ابتر اور بدتر ہے۔ بجلی نہ ہونے کے باوجود بل کئی گنا اضافے کے ساتھ وصول کیے جا رہے ہیں۔ اور ہر روز بجلی کی قیمت میں اضافہ مستزاد ہے۔ بم دھماکوں میں بے گناہ لوگوں کی ہلاکت روزمرہ ہو گئی ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات اور خانہ جنگی جیسی خوف ناک اور ہلاکت آفریں آگ پھیل رہی ہے۔ اس کا ذمہ دار کون ہے؟ اگر لیگی حکمرانوں کے بقول پی پی حکومت اپنے دور کے تمام مسائل کی ذمہ دار ہے تو پھر موجودہ مسائل کی تمام تر ذمہ داری نواز لیگ کی حکومت پر ہی عائد ہوتی ہے۔

بم دھماکے، قتل وغارت گری، اغوا برائے تاوان، مہنگائی میں روز افزوں اضافہ، نظامِ تعلیم کی بربادی، تہذیب وثقافت کے نام پر خاندانی نظام کی توڑ پھوڑ اور عریانی وفحاشی کا فروغ، جھوٹ بد دیانتی اور لوٹ مار کا سلسلہ یوں ہی جاری رہا تو یہ ''شریفین'' کی کمپنی چلتی نظر نہیں آتی۔ حکمران، یہود ونصاریٰ کو راضی اور خوش کرنے کی کوششوں کی بجائے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی تھوڑی سی بھی کوشش کریں تو اللہ کی رحمت متوجہ ہوگی اور سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے کہ:

''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا ان کے لیے امن اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔'' (الانعام:۸۲)

آج مسلمان کہلاتے ہوئے دنیا کے تقریباً تمام مسلم ممالک نے اللہ تعالیٰ کی بجائے امریکہ سے اُمیدیں وابستہ کر لی ہیں۔ نتیجہ بھی سامنے ہے۔ ہمارے صدر زرداری کئی دنوں سے ملک سے باہر ہیں اور سنا ہے کہ امریکی وزیرِ خارجہ جان کیری کی آمد کی وجہ سے وہ ایک دن کے لیے پاکستان آئیں گے۔ مصر اور شام میں قتل وغارت گری اور ظلم وسفا کی کا بازار گرم ہے۔ اہلِ حق پر مظالم کی انتہا کر دی گئی ہے۔ مصر میں فوجیوں کے ذریعے اخوان المسلمون کی منتخب حکومت کا تختہ اُلٹ دیا گیا اور اخوانی مظاہرین پر براہِ راست گولیاں برسا کر 150 افراد شہید کر دیے گئے ہیں۔ شام میں ایک ڈکٹیٹر کے بعد اس کا بیٹا دوسرا ڈکٹیٹر مسلط کر دیا گیا۔ دونوں ملکوں میں امریکہ، روس اور ان کے اتحادی ڈکٹیٹروں کے حامیوں کو اسلحہ فراہم کر رہے ہیں۔ شام میں چین بھی آمر حکومت کی مدد کر رہا ہے حتیٰ کہ ایران بھی۔ اُدھر عراق میں اب تک قتل وغارت گری جاری ہے۔ فلسطین اور لیبیا میں بھی یہی خونی کھیل کھیلا گیا۔ اور اب پاکستان میں بھی ایسے ہی حالات پیدا کرنے کی مذموم کوششیں جاری ہیں۔

شام میں سیدنا خالد بن ولیدؓ اور سیدہ زینبؓ کے مزارات کی توہین کرنے والے وہی ہیں جنہوں نے عراق میں سیدنا حسین، امام ابوحنیفہ اور سیدنا عبدالقادر جیلانی کے مزارات کو مسمار کرنے کی کوشش کی۔ امریکہ اور اس کے اتحادی، مسلم ممالک میں فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑکا کر مسلمانوں کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ افغانستان واحد ملک ہے جس نے ویتنام کے بعد امریکہ کو ہزیمت، ذلّت اور شکست سے دوچار کیا ہے۔ اس کی ایک ہی وجہ ہے کہ مردِ کہستانی اور بندۂ صحرائی اپنے اللہ کے ساتھ مخلص ہے اور اسلام کے علاوہ کسی کی حکمرانی نہیں چاہتا۔ مسلم ممالک کی حالتِ زار باعث عبرت ہے۔ یہود ونصاریٰ کے سیاسی نظام کو قبول کرنے کے باوجود وہ مسلمانوں کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتے۔ مسلم حکمران کفر کے نظامِ طاغوت سے بغاوت کر کے اللہ کے عطا کیے ہوئے دینِ اسلام کے نظام کو نافذ کر دیں تو ظلم کی رات ختم ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ

☆......☆......☆

عبداللطیف خالد چیمہ

7 ستمبر یوم تحفظِ ختم نبوت (یومِ قراردادِ اقلیت)

انتالیس سال قبل 7 ستمبر 1974ء کو پاکستان کی پارلیمنٹ نے آئین میں ترمیم کر کے لاہوری وقادیانی مرزائیوں کو متفقہ طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا اور یوں مرزائی ملک کی ساتویں غیر مسلم اقلیت کے طور پر شمار ہونے لگے، الحمدللہ! مجلس احرارِ اسلام نے 7 ستمبر کو یادگار دِن کے طور پر منانے کا آغاز عرصۂ دراز پہلے کیا۔ اب یہ سلسلہ نہ صرف ملک بھر میں پھیل چکا ہے بلکہ برطانیہ سمیت دنیا کے کئی ممالک میں مسلمان 7 ستمبر 1974ء کو ''یومِ تحفظِ ختم نبوت'' کے طور پر مناتے ہیں۔

7 ستمبر 1974ء کو یہ فیصلہ ہوا تو پیپلز پارٹی کے بانی ذوالفقار علی بھٹو مرحوم قائد ایوان (وزیر اعظم) تھے انہوں نے قومی اسمبلی میں قراردادِ اقلیت کی منظوری کے بعد کم وبیش 27 منٹ کی جو تقریر کی اُس میں کہا کہ:

''میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا، اِس معاملہ کے بارے میں میرے جو احساسات تھے میں انہیں بیان کر چکا ہوں۔ میں ایک بار پھر دہراتا ہوں کہ یہ ایک مذہبی معاملہ ہے، یہ ایک فیصلہ ہے جو ہمارے عقائد سے متعلق ہے اور یہ فیصلہ پورے ایوان کا فیصلہ ہے اور پوری قوم کا فیصلہ ہے، یہ فیصلہ عوامی خواہشات کے مطابق ہے، میرے خیال میں یہ انسانی طاقت سے باہر تھا کہ یہ ایوان اس سے بہتر کچھ فیصلہ کر سکتا اور میرے خیال میں یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ اس مسئلہ کو دوامی طور پر حل کرنے کے لیے موجودہ فیصلے سے کم کوئی اور فیصلہ ہو سکتا تھا'' (قومی اسمبلی میں فیصلے کے بعد بھٹو مرحوم کی تقریر سے اقتباس) پیپلز پارٹی سمیت تمام سیاسی جماعتوں اور مقتدر حلقوں کو قومی اسمبلی کے فیصلے اور بھٹو مرحوم کی تقریر کے مندرجات غور سے پڑھ لینے چاہئیں اور قادیانیت نوازی ترک کر دینی چاہیے۔

7 ستمبر کے حوالے سے مجلس احرارِ اسلام کی جملہ ماتحت شاخوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اس دن کو ''یومِ تحفظِ ختمِ نبوت'' کے طور پر منانے کے لیے ہر ممکن کوشش کریں اور احرار کی پرانی روایات کے مطابق تمام مکاتب فکر کو یکجا کر کے موجودہ حالات میں بڑھتی ہوئی قادیانی ریشہ دوانیوں کو بے نقاب کرنے کی بنیادی ذمہ داری سے عہدہ بَرآ ہوں۔

اِسلامی نظریاتی کونسل کا کردار:

قیامِ پاکستان کے بعد اس کے اسلامی ونظریاتی تشخص کے حوالے سے قراردادِ مقاصد اور تمام مکاتب فکر کے متفقہ

تئیس نکات کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ بعد ازاں ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے دورِ اقتدار میں 1973ء کا متفقہ آئین منظور و نافذ ہُوا تو اس کے حصہ نہم میں آرٹیکل 227 سے 231 تک ملک میں اسلامائزیشن کے حوالے سے اسلامی نظریاتی کونسل اور اس کے طریق کار کے متعلق صراحت سے ذکر کر دیا گیا تھا، بھٹو مرحوم کے دور میں اسلامی نظریاتی کونسل نے بڑی بھرپور رپورٹس مرتب کر کے حکومت کو پیش کیں جن میں ملک میں اسلائزیشن اور اس کے عملی طریق کار کو بیس سال کے اندر نافذ العمل کرنے کی وضاحت بھی کی۔ (بحوالہ عقیل انجم)

24 جولائی 1979ء کو صدر ضیاء الحق مرحوم نے اسلامی نظریاتی کونسل کو ہدایت دی کہ وہ پاکستان میں رائج نظام کے جواز کا شرعی نقطۂ نظر سے جائزہ لے۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے ایک رپورٹ 79-1978ء میں بھی مرتب کی جو اسلامی نظام حکومت کے حوالے سے تھی تاہم نواز شریف حکومت کے خاتمے (1999ء) کے بعد پرویز مشرف کی ترجیحات مختلف رہیں۔

1973ء کے دستور کے مطابق اسلامی نظریاتی کونسل کا آئینی کردار یہ ہے کہ وہ اپنی سفارشات پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کو ان کی درخواست پر بھیجے جن پر عمل کر کے ایک مسلمان اپنی ذاتی و اجتماعی زندگی قرآن وسنت کے مطابق گزار سکے، اپنے اپنے ادوار کے فرق کے ساتھ اسلامی نظریاتی کونسل روٹین ورک کے طور پر یہ کام کرتی رہی، اِرتداد کی شرعی سزا کی سفارش سمیت اسلامی نظریاتی کونسل نے ایک حد تک اپنا کام کیا لیکن ماضی کے حکمرانوں نے اِسے نہ تو درخورِ اعتنا سمجھا اور نہ ہی دستور میں نظریاتی کونسل کے کردار کو آگے بڑھنے دیا۔ اب جبکہ جمعیت علماء اسلام کے رہنما مولانا محمد خان شیرانی اِس کے چیئرمین ہیں تو کچھ امید سی بندھی ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل اپنے آئینی کردار کی طرف بڑھے گی۔ اِس ضمن میں جمعیت علماء اسلام (ف) کے امیر مولانا فضل الرحمٰن کا ایک بیان شائع ہُوا ہے جس کا ہم خیر مقدم بھی کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ مولانا فضل الرحمٰن اور مولانا محمد خان شیرانی مرتد کی شرعی سزا سمیت نظریاتی کونسل کی سفارشات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنی بھرپور صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں گے، مولانا فضل الرحمٰن کا بیان ملاحظہ فرمائیں:

''اسلام آباد (وقائع نگار) جمعیت علماء اسلام ف کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن نے کہا ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کے حوالے سے وزیراعظم نواز شریف سے اتفاق رائے کے بعد پیش رفت ہوئی ہے اور حکومت نے پارلیمنٹ میں سفارشات لے جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس اقدام سے مذہبی حلقہ کی تشفی ہوگی۔ ترجمان جان اچکزئی کی جانب سے جاری بیان کے مطابق مولانا فضل الرحمٰن نے کہا ہے کہ تقریباً 40 سال سے آئینی ادارے کی سفارشات سردخانے میں پڑی تھیں اور کوئی بھی حکومت اس بات کے لیے تیار نہیں تھی کہ من وعن عمل درآمد نہ صحیح، سفارشات کی روشنی ہی میں قانون سازی کرتی۔ انہوں نے کہا کہ اسلامی نظریاتی کونسل آئین کا حصہ ہے جو مختلف قوانین کو قرآن وسنت کے

مطابق ڈھالنے کے لیے سفارشات مرتب کرتی ہے اوراس میں ملک کے تمام مکاتب فکر کے سکالرز اور علماء موجود ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جے یو آئی نے برسوں اس بات کے لیے جدوجہد کی کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کوتسلیم کیا جائے۔انہوں نے کہا کہ پچھلی حکومت میں بھی جب ہماری توقعات پوری نہ ہوئیں تو ہم الگ ہوگئے۔انہوں نے کہا کہ سفارشات پرعمل درآمد سے نوجوان مذہبی حلقے کی اُمنگوں کو پورا کرنے میں مدد ملے گی''

(روزنامہ ''دنیا'' لاہور 18 جولائی 2013)

قائدِ احرار کی علالت، دعائے صحت کی درخواست:

قائد احرار، ابنِ امیر شریعت، حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہٗ گزشتہ دو ماہ سے علیل ہیں۔ضعف و اضمحلال زیادہ ہونے کی وجہ سے تمام سرگرمیاں معطل ہوکر رہ گئی ہیں، ان دنوں ملتان گھر پر ہی قیام ہے۔علاج سے افاقہ ہوا ہے اور الحمدللہ صحت بحال ہورہی ہے۔اللہ تعالیٰ انہیں صحتِ کاملہ عطا فرمائے اور ان کا سایہ تادیر ہم پر سلامت رکھے۔آمین

احباب وقارئین سے درخواست ہے کہ دعائے صحت کا اہتمام فرمائیں۔

مخدوم زادہ احمد خیرالدین انصاری کا انتقال:

ماھنامہ ''مسیحائی'' کراچی کے مدیر اور ممتاز قلمکار مخدوم زادہ احمد خیرالدین انصاری 29۔مئی 2013ء کو کراچی میں انتقال فرما گئے۔(انا للہ وانا الیہ راجعون) مرحوم علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے، حضرت مولانا سید فضل الرحمٰن مدظلہ العالی (کراچی) سے بیعت کا تعلق تھا، نامساعد حالات اور پیرانہ سالی و علالت کے باوجود ہر دم کچھ نہ کچھ کرتے رہنے کے قائل تھے، تحفظ ناموس رسالت اور تحفظ ختمِ نبوت پر ''مسیحائی'' کے ضخیم نمبر شائع کئے، کبھی ہسپتال کبھی گھر مگر ہمت نہیں ہاری انتقال سے کچھ دن پہلے آخری مرتبہ ان کا فون آیا تو آخری گفتگو یہ ہوئی کہ ''مسیحائی'' کا ختم نبوت نمبر دوبارہ شائع کردیا جائے تو کیسا رہے گا؟ ہم مرحوم کے داماد جناب فرخ انصاری اور دیگر لواحقین سے تعزیت کا اظہار کرتے ہوئے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی حسنات کو قبولیت سے نوازیں اور سیّات سے درگزر فرمائیں، آمین ثم آمین۔

امام اہلِ سنت، جانشین امیر شریعت
مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ

اُمّ المؤمنین سیدہ خدیجۃُ الطاہرۃُ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

(وصال: ۱۰ نبوی، رمضان المبارک)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی زندگی میں سیدہ خدیجہ کے ساتھ پہلی شادی تھی اور سیدہ خدیجہ کی دو شوہروں سے بیوہ ہونے کے بعد آپ سے تیسری شادی تھی۔

نام ونسب: سیدہ خدیجہ کا صحیح نام ونسب یہ ہے: **خدیجةُ الطاهرةُ بِنتِ خُوَيلِدِ بنِ اسدِ بنِ عبدِ العُزّٰى بن قُصَىّ.**
قُصَی پر پہنچ کر اُن کا خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے جاملتا ہے۔

خویلد بن اسد اپنے قبیلہ میں نہایت معزز شخص تھے۔ باہر سے آ کر انھوں نے مکہ میں رہائش اختیار کر لی اور معاشری، معاشی اور سیاسی رواج اور ضرورت کے مطابق عم زاد عبدالدار بن قُصَی کے حلیف بنے اور پھر یہیں مکہ ہی میں فاطمہ بنت رائدہ سے شادی کر لی تو اُن کے بطن سے واقعہ اصحاب الفیل سے پندرہ برس پہلے سیدہ خدیجہ پیدا ہوئیں۔

(طبقات ابن سعد، ص: ۸، ۱۰، جلد: ۸۔ سیر الصحابیات، ص: ۱، طبع ثانی وثالث)

لقب:

جب ہوش سنبھالا اور سن شعور کو پہنچیں تو اپنی پاکیزہ فطرت اور عمدہ اخلاق کی بنا پر طاہرہ کے لقب سے مشہور ہوئیں۔

قال الزُبيرُ بْنُ بَكَّارٍ كَانَتْ تُدْعىٰ قَبْلَ الْبِعْثَةَ الطَّاهِرَةُ (الاصابہ، ص: ۲۷۳، جلد: ۴)

مشہور قریشی نسّاب زبیر بن بکار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ خدیجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا ہونے سے پہلے طاہرہ کے لقب سے پکاری جاتی تھیں۔

شباب اور نکاح:

سیدہ خدیجہ جب عاقلہ، بالغہ ہوگئیں تو اُن کے والد نے خاندانی اور علاقائی معمول کے مطابق اُن کی شادی کے لیے اہتمام شروع کیا۔ تو سب سے پہلے مکہ مکرمہ میں سچے عیسائی مذہب کے پیروکار، تورات وانجیل کے بہت بڑے عالم اپنے بھتیجے جناب ورقہ بن نوفل (رضی اللہ عنہ) کو بطور داماد منتخب کیا لیکن پھر کسی غیر معلوم وجہ سے یہ تعلق قائم نہ ہوسکا۔ تو اس کے بعد والد کی نئی تجویز کے مطابق ابوہالہ بن زُرارہ بن نباش بن عدی التمیمی سے نکاح ہوگیا۔

(الاصابہ، ص: ۲۷۳، جلد: ۴۔ الاستیعاب، ص: ۲۷، جلد: ۴)

پہلی اولاد:

اُمّ المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر کا نام ’’ہند‘‘ اور کنیت ’’ابوھالہ‘‘ تھی۔ اُن کا نسب یوں ہے۔ ہند بن زرارہ بن بناش بن عدی بن حبیب بن صُرَد بن سلامہ بن جَرْ دَہ بن اُسَید بن عمرو بن تمیم بن مُر۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہند کی تین اولادیں تھیں۔ دولڑکے، ایک لڑکی۔ ا۔ ہند بن ہند ۲۔ ھالہ بنت ہند (انہی کے نام پر ابوھالہ کنیت تھی) ۳۔ حارث بن ہند (ابوھالہ) تینوں مسلمان ہوئے اور صحابی تھے۔ ’’حارث بن ابی ھالہ‘‘ اللہ کے راستے میں اسلام کے پہلے شہید ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے اور آپ کے دفاع میں آگے آنے پر بیت اللہ میں رکنِ یمانی کے نیچے مشرکین نے تشدد کر کے شہید کر دیا۔

(’’جمہرۃ انساب العرب‘‘ لابی محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی ۳۸۴۔۴۵۶ھ، ص: ۲۱۰، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان۔)

کچھ مدت گزرنے پر ابوھالہ کا انتقال ہوگیا۔ تو والد کی سرپرستی میں اُن کی تجویز کے کے مطابق عتیق بن عائذ بن عبداللہ بن عمر مخزوم (المخزومی) کے ساتھ حضرت خدیجہ کا دوسرا نکاح ہوگیا۔ نسب کی بعض روایات میں عتیق کے والد کا نام عائذ کی جگہ عابد بھی منقول ہے۔ لیکن اکثر علما انساب و تاریخ کے نزدیک اس کا نام عائذ ہی درست ہے۔

والد کی وفات:

اسی زمانہ میں یعنی عام الفیل سے بیس سال بعد عرب میں قریش کی مشہور جنگ حرب الفجار کا واقعہ پیش آیا تو اس میں دستور اور معاہدہ کے مطابق اپنے قبیلہ کی نمائندگی کرتے ہوئے اُن کے والد بھی شریک ہوئے اور لڑائی کے دوران قتل ہوگئے۔ (طبقات ابن سعد، ص: ۱۰۹)

تجارت:

مختلف مواقع پر والد اور دو شوہروں کے یکے بعد دیگرے رخصت ہو جانے سے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو انتظامی امور میں سخت دقت اور تکلیف پیش آئی۔ کیونکہ ذریعۂ معاش تجارت اور کاروبار تھا۔ جس کا اب کوئی نگران مرد باقی نہیں رہا تھا۔ تاہم کچھ مدت تک اپنے اعزہ واقارب کو معاوضہ ومشاہرہ دے کر شام وغیرہ کی طرف مالِ تجارت بھجواتی رہیں۔ ایک بار مال بھیجنے کا وقت آیا تو حضور علیہ اسلام کے چچا ابوطالب نے خاندانی تعارف اور تعلق کی بنا پر مشورۃً آپ سے یہ کہا کہ ’’تم کو کسبِ معاش اور کاروبار کے سلسلہ میں خدیجہ سے جاکر ملنا چاہیے۔ اس کا مال شام کی طرف جائے گا تو بہتر تھا کہ بطور وکیل و معاون تم بھی ساتھ چلے جاتے، خود میرے پاس پیسہ نہیں ورنہ میں تمہارے لیے کچھ سرمایہ مہیا کر دیتا‘‘ عام شہری تعلق کے بعد ابوطالب کی مذکورہ تجویز کے مطابق حضور علیہ السلام کا بسلسلۂ کاروبار سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ملنا۔ یہ اُن کے ساتھ خصوصی رابطہ اور بعد ازاں ظاہر و باطن کی دائمی محبت و رفاقت کا ذریعہ بن گیا۔ اس دور میں حضور علیہ السلام سن بلوغت و رشد سے گزر کر عروجِ شباب پر پہنچے ہوئے ہر لحاظ سے حسین وجمیل اور موزون ومعتدل ایک جوانِ رعنا تھے۔ نیز اپنی ازلی

سعادت، فطرتِ معصومہ، قابلِ رشک ملکوتی اخلاق، بے داغ و مجلّٰی سیرت و اعمالِ صالحہ، صدق و دیانت، حسنِ معاملہ، خلقت ہدایت یافتہ طرزِ زندگی کی بدولت الصادق اور الامین کے غیر معمولی اعتماد کے مظہر بلند القاب سے مشہور و مسلم تھے۔ اور آپ کی زندگی کی یہ ساری تصویر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دل و دماغ میں بھی پیوست تھی۔ تا آنکہ جب کسی ذریعہ سے چچا بھتیجے کی یہ گفتگو حضرت خدیجہ تک پہنچی تو انہوں نے اس قدرتی حسنِ اتفاق کو، اپنے کاروبار سنبھالنے اور ترقی دینے کے لیے غیبی تائید سمجھتے ہوئے فوراً حضور علیہ السلام کو یہ پیغام بھیجا کہ ''اس دفعہ آپ میرا مالِ تجارت لے کر شام کی طرف جائیں تو اس محنت و تعاون پر جتنا معاوضہ میں دوسرے کارندوں کو دیتی ہوں آپ اس سے دوگنا معاوضہ مجھ سے لے لیں۔

چنانچہ حضور علیہ السلام نے چچا کی تجویز اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فرمائش کو قبول فرما لیا۔ اس وقت آپ کی پچیس برس کی عمر تھی کہ مذکورہ بالا معاہدہ کے تحت اپنی نگرانی اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہ کے سابق کاروباری نمائندہ اور غلام و خادم میسرہ کی معیت میں اُن کے وکیلِ تجارت کی حیثیت سے شام کے مشہور شہر بُصریٰ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور جب کاروبار سے فارغ ہو کر واپس لوٹے تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو پہلے کے مقابلہ میں دوگنا نفع حاصل ہوا۔ (طبقات ابن سعد ص:۸۱، جلد:۱)

اور اس سفر میں حضور علیہ السلام کو غیبی طور پر جو معجزہ نما واقعات پیش آئے وہ معلوم کر کے اُن کے دل میں آپ کی قدر و منزلت اور اعتماد میں بہت اضافہ ہوا اور فطری جذبہ کے تحت اپنی تنہا اور بے رفیق زندگی کے پیش نظر آپ کی کشش اور محبت اُجاگر ہو گئی۔ چنانچہ موصوفہ نے پہلے تو آپ کی حسنِ کارگردگی، اس کے اثرات سے کاروبار اور منافع میں عجیب و غریب اور حیرت انگیز اضافہ اور برکت و ترقی کے پیشِ نظر حضور علیہ السلام کے لیے پہلے سے مقررہ معاوضہ دوگنا کر دیا۔ چنانچہ یہ مالی وسعت آپ کے لیے ضروریات و مقتضیاتِ زندگی کے عین مطابق بڑا اہم معاشی سہارا ثابت ہوئی۔ اس کے بعد کام میں زیادہ مصروفیت کے پیش نظر آپ نے بھی ضرورت و کثرت مشاغل اور تجارتی نمائندگی کے لیے حضرت خدیجہ کے پاس ہی مستقل طور پر کاروبار کی ذمہ داری سنبھال لی۔ تو سیدہ خدیجہ نے اپنی قلبی خواہش اور تمنا کے مطابق آپ کے ساتھ نکاح کے لیے تدبیر سوچی۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے وقت میں نہایت محتاط، فطرتاً مضبوط اخلاق و کردار کی مالک شریف و قابلِ احترام، قریشی خواتین میں اعلیٰ اور بہترین نسب والی، شرافت و کرامت اور سخاوت میں برتر اور ان سے مال و دولت میں سب سے زیادہ فائق تھیں اور ان کے خاندان و قبیلہ کا ہر فرد اور قریش کے تمام دوسرے قبائل میں سے اُن کی ان صفات کا گرویدہ اور ان کی بنا پر اُن کے ساتھ نکاح کی زبردست خواہش اور تمنا رکھتا تھا۔ لیکن تقدیرِ الٰہی میں سیدہ خدیجہ کی قسمت، حضور علیہ السلام جیسی عظیم اور بے نظیر ہستی کے ساتھ وابستہ ہو چکی تھی۔ اس سلسلہ میں بطورِ خاص واضح رہے کہ سیدہ خدیجہ کے حقیقی سرپرست اور متولی امور ان کے والد تھے جو حرب الفجار میں قتل ہو گئے۔ مگر ان کے نائب ولی اور قائم مقام ان کے حقیقی چچا عمرو بن اسد زندہ تھے۔ اس کے باوجود عرب کی بدوی معاشرت میں عورتوں کو یہ آزادی اور خود مختاری حاصل تھی کہ زندگی کے عام معاملات کے علاوہ اپنے نکاح اور شادی جیسے بہت اہم اور بے حد نازک مسئلہ کے متعلق بھی کسی شخص یا

خاندان سے خود براہِ راست گفتگو کر سکتی تھیں۔ چنانچہ اپنے ملکی اور قومی عرف کی بنا پر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی چچا کے موجود ہوتے ہوئے بھی خود سبقت کر کے اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے میں تمام مراحل طے کیے۔ البتہ تقریبِ رفاقت کی انجام دہی کے لیے مقررہ عام اخلاقی اور معاشرتی دستور کے مطابق اپنے چچا عمرو بن اسد کو خاندان کا نمائندہ بنا کر پیش کیا۔

بنابریں ایک کمزور روایت کے مطابق سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کسی موقع پر حضور علیہ السلام کے ساتھ نکاح کے لیے آپ کی خدمت میں براہِ راست اس کی پیش کش کی اور ان الفاظ میں مخاطب ہوئیں:

یٰا ابنَ عَمِّ ! اِنّی قَد رَغِبتُ فِیکَ لَقَرَابَتِکَ وَ وَسطَتِکَ فِیْ قَوْمِکَ وَ اَمَانَتِکَ وَ حُسْنِ خُلُقِکَ وَ صِدْقِ حَدِیثِکَ. (عیون الاثر، ص:۳۹، جلد: اوّل)

اے ابن عم! یقین رکھو تمہاری قرابت و رشتہ داری اور تمہاری اپنی قوم میں بلندیٔ مرتبہ اور تمہاری امانت اور بہترین اخلاق اور راست گفتاری کی وجہ سے مجھے تمہاری ذات میں دل چسپی ہے۔

لیکن دوسری زیادہ مشہور اور مصدقہ روایت کے مطابق سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے براہِ راست گفتگو کی جگہ بالواسطہ اور خفیہ طریقہ سے آپ تک خواہش و پیغامِ نکاح پہنچانے کی تدبیر کی۔ چنانچہ مشہور قریشی بزرگ صحابی حضرت یعلی بن اُمیّہ رضی اللہ عنہ جو حضور علیہ السلام کے عہد سے لے کر خاتمۂ خلافتِ ثالثہ اور تاریخ اسلام میں اپنے دائمی اثرات ونتائج کے لحاظ سے سب زیادہ اہم، سراپا خطرناک اور دردناک عظیم دینی وقومی حادثہ یعنی شہادتِ سیدنا ذوالنورین عثمانِ غنی سلام اللہ ورضوانہ علیہ کے وقت تک اہم انتظامی اور سیاسی مناصب وعہدہ جات پر فائز رہتے چلے آئے اور اس وقت بھی یمن کے گورنر تھے۔ اور جب اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ الحُمیرا ءسلام اللہ ورضوانہ علیہا کی زیرِ قیادت تحریکِ قصاص اور انتقامِ امامِ مظلوم، جاری اور منظّم ہونے کی اطلاع اُن کو پہنچی تو اس سانحہ سے پھیلی ہوئی پریشانی، ابتری اور مایوسی ووحشت کے ماحول میں اس خبر کو اپنے دل کی آواز اور مژدۂ ہدایت و فلاح سمجھ کر مکّہ مکرمہ میں مخدومۂ کونین اُمّ المؤمنین کی خدمت میں پہنچنے کے لیے تیار ہوئے تو اس مہم میں مکمل فکری تائید کے ساتھ ساتھ عملی ہدیہ وامداد کے طور پر گھوڑے، درہم و دینار اور دوسرا متفرق ساز وسامان لے کر سیدہ اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں جا پہنچے تھے۔ ان بزرگ صحابی کی ہمشیر پیغام لے جانے والی صحابیہ خاتون محترمہ نفیسہ بنتِ مَنیہ رضی اللہ عنہا۔ جن کو حضور علیہ السلام کے پاس سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا پیغامِ نکاح پہنچانے نیز خطبہ اور منگنی کی مہم کو تقریبِ نکاح ورفاقت تک پروان چڑھانے جیسی بے مثال خدمت نیز عظیم اور غیر فانی، ابدی سعادتِ دارین نصیب ہوئی۔ وہ یوں بیان کرتی ہیں کہ:

''فَارْسَلَتْنِیْ دَسِیسًا اِلٰی مُحَمَّدٍ بَعْدَ اَنْ رَجَعَ مِنْ عِیرِهَا مِنَ الشَّامِ فَقُلْتُ یَا مُحَمَّدُ ! مَا یَمْنَعُکَ اَنْ تَزَوَّجَ؟ قَالَ مَا بِیَدِیْ مَا اَتَزَوَّجُ بِهٖ قُلْتُ فَاِنْ کُفِیتَ ذالِکَ وَ دُعِیتَ اِلَی المَالِ وَالْجَمَالِ والشَّرَفِ وَالْکِفَآئَةِ اَلَّا تُجِیبُ قَالَ فَمَنْ هِیَ قُلْتُ خَدِیْجَةُ قَالَ فَکَیْفَ لِیْ بِذالِکَ ؟ قالَتْ قُلْتُ عَلَیَّ قَالَ فَاَنَا اَفْعَلُ فَذَهَبْتُ فَاَخْبَرْتُهَا فَاَرْسَلَتْ اِلَیه اَن اِئتِ لِسَاعَةِ کَذَا و کَذا فَاَرْسَلَتْ اِلٰی عَمِّهَا عَمْرِو ابْنِ

اَسَدٍ لِیُزَوِّجَھَا فَحَضَرَ وَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ عُمُوْمَتِہٖ فَزَوَّجَہٗ اَحَدُھُمْ فَقَالَ عَمْرُوابْنُ اَسَدٍ ھٰذا الْفَحْلُ لَا یُقْدَعُ اَنْفُہٗ وَ فِی الرِّوَایَۃِ الْاُوْلٰی فَلَمَّا قَالَتْ لَہٗ خَدِیْجَۃُ ذَالِکَ ذَکَرَ ذَالِکَ لِاَعْمَامِہٖ فَخَرَجَ عَمُّہٗ حَمْزَۃُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ (اِلیٰ آخِرِھَا) (عیون الاثر،ص:۴۹، ۵۰،جلد:۱)

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے مجھے خفیہ پیغامبر کے طور پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اُس وقت بھیجا جبکہ وہ شام سے تجارتی قافلہ لے کر واپس آئے تو میں نے اُن کے پاس پہنچ کر کہا، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی شادی میں کون سی چیز رکاوٹ بن رہی ہے؟ فرمایا: میرے پاس وہ سامانِ ضرورت نہیں جس کے ساتھ میں نکاح کر سکوں، میں نے کہا اگر آپ کو بقدرِ کفایت وضرورت سامان مہیا کر دیا جائے اور آپ کو دولت، حسن، شرافت اور ہم پلّہ خاندان اور برادری سے تعلق جوڑنے کے لیے کہا جائے تو کیا آپ پھر بھی قبول نہیں کریں گے؟ تو فرمایا: میرے پاس خدیجہ سے رابطہ اور اس کے پیغامِ نکاح قبول کرنے کی کیا صورت ہے؟ تو میں نے کہا یہ سب کچھ میرے ذمہ ہے۔ اس پر فرمایا کہ پھر میں یہ کام کر گزروں گا۔ اس پر میں نے خدیجہ کو ان حالات کی خبر دی تو انہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ فلاں وقت میرے گھر پر آجائیں اور اپنے چچا عمرو بن اسد کو بھی پیغام بھیج دیا کہ وہ آ کر نکاح کرا دیں اور دوسری طرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچوں کے ہمراہ تشریف لائے تو ان چچوں میں سے ایک (پہلی روایت کے مطابق اسد اللہ واسد الرسول، سید الشہداء، امیر المؤمنین حضرت حمزہ بن عبدالمطلب) نے نکاح کرایا۔ یہ مبارک تقریب انجام پانے کے بعد سیدہ خدیجہ کے چچا عمر بن اسد نے یہ کہا واقعتاً یہ نر ایسا ہے جس کی ناک نہیں توڑی جا سکتی۔ (یعنی) یہ ایسا خاندانی اور باوجاہت کفو والا فرد ہے جس کے رشتہ کو روکا اور مسترد نہیں کیا جا سکتا۔

الروض الانف کی روایت کے مطابق منقول ہے کہ حضرت سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کی جگہ آپ کے چچا ابوطالب نے خطبۂ نکاح پڑھا۔ جس کے آخری الفاظ حسبِ ذیل ہیں:

’’اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ مُحَمَّدًا مِمَّنْ لَّایُوَازَنُ بِہٖ فَتیً مِّنْ قُرَیْشٍ اِلَّا رَجَحَ بِہٖ شَرَفًا وَ نُبْلاً وَ فَضْلاً وَ عَقْلاً وَ اِنْ کَانَ فِی الْمَالِ قَلَّ فَاِنَّہٗ ظِلٌّ زَائِلٌ وَ عَارِیَۃٌ مُسْتَرْجَعَۃٌ وَ لَہٗ فِی خَدِیْجَۃَ بِنْتِ خُوَیْلِدٍ رَغْبَۃٌ وَ لَھَا فِیْہِ مِثْلُ ذَالِکَ.‘‘

(الروض الانف،ص:۱۱۲،جلد:۱۔ بحوالہ سیرت المصطفیٰ، مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ،ص:۸۴،جلد:۱)

بعد تمہید! واضح ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ شخص ہیں کہ قریش کے کسی بھی جوان سے نسبی وقومی بزرگی وبلندیٔ اخلاقی برتری اور روشنیٔ فکر وشعور میں آپ کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو آپ ہی کا پلہ بھاری رہے گا۔ اگرچہ مال ودولت میں آپ کم ہیں لیکن مال ایک ٹل جانے والا سایہ ہے اور ایک مانگی ہوئی چیز ہے۔ جو واپس لے لی جائے گی۔ ان کو خدیجہ بنت خویلد کے ساتھ نکاح میں رغبت اور دلچسپی ہے۔ اور ایسے ہی خدیجہ کو ان کے ساتھ۔

چنانچہ شام کے اس سفر سے واپسی کے دو مہینے پچیس دن بعد اپنی عمرِ مبارک کے چھبیسویں سال ماہِ صفر کے آخر میں اصحاب الفیل کے واقعہ سے پچیس برس دو مہینے دس دن بعد سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح ہوا۔ اس وقت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال تھی۔ بعض علما کے نزدیک سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد خویلد بن اسد نے اور بعض کے نزدیک ان کے بھائی عمرو بن خویلد نے حضور علیہ السلام سے ان کا نکاح پڑھایا لیکن زیادہ محفوظ اور مستند روایت یہ ہے کہ اُن کے والد خویلد بن اسد عرب کی مشہور جنگ حرب الفجار سے پہلے فوت ہوئے یا اس جنگ میں قتل ہو جانے کی وجہ سے بوقتِ نکاح زندہ موجود نہیں تھے۔ اس لیے تحقیق یہی ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا عمرو بن اسد نے ان کا نکاح پڑھایا۔ واللہ اعلم۔ (عیون الاثر، ص: ۵۰، جلد: ۱)

حضرت خدیجہ کے بطن سے آپ کی اولاد میں چار دخترانِ نیک اختر سیدہ زینب، سیدہ رقیہ، سیدہ اُمّ کلثوم، سیدہ فاطمہ اور دو فرزند سید قاسم اور سید عبداللہ المقلب بہ طیب و طاہر پیدا ہوئے۔ گویا ایک آخری فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے سوا آپ کی کل اولاد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہی ہوئی۔ جب تک حضور علیہ السلام نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نہایت اخلاص و محبت، ایثار و ہمدردی و غم خواری اور صبر و استقامت کے ساتھ آپ کی زوجیت میں پچیس سال گزارے۔ ۱۰ نبوی میں ہجرت سے پہلے دورانِ ماہِ رمضان المبارک پینسٹھ برس کی عمر میں مکّہ مکرّمہ کے اندر انتقال فرمایا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قبر میں اُتارا۔ چوں کہ نماز جنازہ اُس وقت تک شروع ہی نہیں ہوئی تھی اس لیے بغیر جنازہ ہی دفن کیا۔ مکّہ سے متصل ''حُجُون'' کی بستی میں مدفون ہوئیں۔ سلام اللہ علی النبی ورضوانہ علیہا۔

(الزرقانی، ص: ۲۲۶، جلد: ۳۔ سیرت ابن ہشام بحوالہ سیرت المصطفیٰ، ص: ۳۱۲، جلد: ۳)

(مطبوعہ: پندرہ روزہ ''الاحرار'' لاہور، جلد: ۱۱، شمارہ: ۲۲-۲۳، فروری/مارچ ۱۹۸۲ء)

دینِ ازواج واصحاب رسول علیہم السلام والرضوان

''خدا ورسول علیہ السلام اور ازواج واصحابِ رسول علیہم الرضوان کی بالترتیب اطاعت۔ دین کی اصل و بنیاد ہے۔ ان کے متعلق موروثی اور اجماعی عقائد میں ذرہ برابر تصرف و تحریف بھی حق وصواب سے مکمل محرومی کی واضح علامت ہے۔ مقامِ صحابہ کی معرفت سے معرفتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فتحِ باب ہوتا ہے اور معرفتِ رسول سے معرفتِ الٰہیہ کا جہان منکشف ہوتا ہے۔ اس لیے دینِ صحابہ کی معرفت اور اس پر استقامت ہی ازلی سعادت اور ابدی نجات وفلاح کی ضامن ہے۔''

ایک آٹوگراف: امام اہلِ سنت، جانشین امیر شریعت، مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ

۲۹ رجمادی الاُولیٰ ۱۴۰۰ھ۔ ۱۶/اپریل ۱۹۸۰ء

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

انتخاب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیماری کے دوران میں ہی خلافت سے متعلق چہ میگوئیاں شروع ہو گئی تھیں چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ:

میں موت کے وقت بنی عبدالمطلب کے چہروں کو پہچانتا ہوں۔ اللہ کی قسم تین دن کے بعد تم ڈنڈے کے غلام بن جاؤ گے۔ لہٰذا خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرلیں کہ خلافت کس کو ملے گی؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: اللہ کی قسم اگر ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا تو پھر لوگ کبھی بھی ہمیں خلافت نہیں دیں گے لہٰذا اللہ کی قسم میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال نہیں کروں گا۔

(ملاحظہ ہو صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب: مرض النبی ووفاته رقم الحدیث: ۴۴۴۷، کتاب الاستیذان باب المعانقة و قول الرجل کیف اصبحت؟ رقم الحدیث ۶۲۶۶)

اسی آخری بیماری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس خواہش کا اظہار فرمایا تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے کو بلا کر وصیت لکھوا دیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں کہنے والے کچھ اور کہیں اور تمنا کرنے والے تمنا کریں۔ (ان یقول القائلون او یتمنی المتمنون) لیکن پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر ارادہ ترک کر دیا کہ اللہ اور مؤمنین کسی دوسرے کو پسند نہ کریں گے سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے۔

(ملاحظہ ہو صحیح بخاری کتاب الاحکام باب الاستخلاف رقم الحدیث ۷۲۱۷، کتاب المرضیٰ باب قول المریض انی وجع رقم الحدیث ۵۶۶۶)

لیکن اس تمنا کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً خلافت کے لئے کسی کی نامزدگی نہیں فرمائی۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو نامزد فرما دیتے تو کس میں رائے اختلاف ہو سکتا تھا؟

یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد بنی ہاشم، مہاجرین اور انصار کے درمیان اچانک اختلاف سامنے آیا۔ چنانچہ اس مسئلہ پر غور وخوض کے لئے انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو وہ بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی معیت میں وہاں تشریف لے گئے۔

انصار رضی اللہ عنہم نے مشورہ دیا کہ ''منا امیر و منکم امیر'' ایک امیر ہم میں سے اور ایک تم میں سے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں کہا کہ **نحن الامراء وانتم الوزراء** امیر ہم میں سے ہی ہو اور وزیر تم میں سے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تجویز پر حضرت خباب بن منذر انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ:

لا واللّٰہ لا نفعل منا امیر و منکم امیر. اللہ کی قسم ہم ایسا نہیں کریں گے بلکہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **لا ولکنا الامراء وانتم الوزراء هم اوسط العرب دارا واعربهم احسابا فبایعوا عمر او ابا عبیدة ابن الجراح. فقال عمر بل نبایعک انت فانت سیدنا وخیرنا واحبنا الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلّم.**

نہیں، امیر تو ہم ہی ہوں گے اور تم ہمارے وزیر ہو گے کیونکہ قریش گھرانے کے لحاظ سے عمدہ اور فضائل میں واضح تر ہیں لہٰذا تم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں بلکہ ہم آپ کی بیعت کریں گے کیونکہ آپ ہمارے سردار ہیں اور ہم سب سے بہتر ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور ان سے بیعت کرلی۔ ان کا بیعت کرنا تھا کہ تمام لوگوں نے بھی بیعت کرلی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس اچانک انتخاب پر صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت سے مزید روشنی پڑتی ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انتخاب صدیق کے تقریباً تیرہ سال (خلافت صدیق رضی اللہ عنہ، ۲ سال تین ماہ + خلافت فاروق رضی اللہ عنہ، ۱۰ سال ۶ ماہ = ۱۲ سال ۹ ماہ) کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ کی تفصیل بیان فرمائی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے پہلے ۲۳ھ میں حج ادا فرمایا۔ منیٰ میں ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ:

''اے امیر المؤمنین کیا آپ کو فلاں شخص کی ضرورت ہے جو کہتا ہے کہ اگر عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو میں فلاں شخص کی بیعت کرلوں گا اور اللہ کی قسم ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت یکایک ہوگئی تھی اور پھر خیریت کے ساتھ انجام کو پہنچی۔'' (اسی طرح اس شخص کی بیعت بھی خیریت کے ساتھ انجام کو پہنچے گی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بات کو سن کر بہت غضب ناک ہوئے اور فرمایا ان شاء اللہ شام کے وقت میں کھڑے ہوکر تمام لوگوں کو ایسے لوگوں سے ہوشیار کروں گا جو امورِ خلافت کو غصب کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مشورے سے آپ نے اپنا ارادہ ترک کردیا۔ حج سے فارغ ہوکر

ذوالحجہ کے آخر میں مدینہ منورہ پہنچے تو جمعہ کے خطبہ میں آپ نے اس کی وضاحت فرمائی کہ:

''مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر عمر رضی اللہ عنہ مر گئے تو میں فلاں شخص کی بیعت کر لوں گا اور کوئی شخص یہ کہہ کر فریب نہ دے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی یکا یک ہوئی تھی اور اس کا انجام بخیر ہوا۔ بے شک ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت یکا یک ہی ہوئی تھی لیکن اللہ نے اس کی برائی سے بچا لیا (یعنی یکا یک بیعت کر لینے سے جن خدشات کا خطرہ تھا وہ ظہور پذیر نہیں ہوئے) تم میں کوئی ایسا نہیں ہے جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسی فضیلت ہو۔'' **من بایع رجلا عن غیر مشورۃ من المسلمین فلا یبایع ھو ولا الذی تابعہ تغرۃ ان یقتلا** '' اب جس کسی شخص نے مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی دوسرے شخص کی بیعت کر لی تو اس کی اور اس کے متبع کی بیعت نہ کی جائے خصوصاً اس اندیشہ سے بھی ان کی بیعت سے گریز کیا جائے کہ وہ دونوں تو بہر حال قتل کر دیئے جائیں گے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے بہتر تھے، انصار نے ہمیں پیچھے چھوڑ دیا وہ سب بنو ساعدہ کے سائبان میں جمع ہو گئے اور خلیفہ کے انتخاب کے سلسلہ میں مشورہ کرنے لگے مہاجرین کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہوئے۔ میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا ہم سب انصاری بھائیوں کے پاس چلیں تو ہم انصار کی طرف گئے جب ہم انصار کے قریب پہنچے تو ان میں سے دو صالح آدمیوں نے انصار کے میلان خاطر کا ذکر کیا اور ہم سے کہا: اے گروہ مہاجرین تم کہاں جا رہے ہو؟

ہم نے کہا: انصار بھائیوں کے پاس جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا: آپ کو وہاں نہیں جانا چاہیے۔ آپ اپنا کام کر لیں۔

میں (عمر) نے کہا: اللہ کی قسم ہم ضرور ان کے پاس جائیں گے۔ پھر ہم چلے یہاں تک کہ بنی ساعدہ کے سائبان میں پہنچے۔ ان لوگوں کے درمیان ہم نے ایک شخص کو کمبل اوڑھے دیکھا۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے کہا ان کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا: انہیں بخار ہے۔

پھر ہم تھوڑی دیر بیٹھے رہے۔ انصار رضی اللہ عنہم کے خطیب نے کلمہ شہادت پڑھا اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد کہا:

فنحن انصار اللّٰہ وکتیبۃ الاسلام وانتم معاشر المھاجرین رھط وقد دفت دافۃ من قومکم فاذا ھم یریدون ان یختزلونا من اصلنا وان یحضنونا من الامر.

ہم لوگ انصار ہیں اور اللہ کے لشکر ہیں۔ اے مہاجرین تم قلیل ہو۔ تمہاری قوم میں سے چند لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہم کو ہماری جڑ سے علیحدہ کر دیں اور امورِ خلافت سے ہمیں دور رکھیں۔

جب وہ خطیب خاموش ہو گیا تو میں نے چاہا کہ میں کچھ بولوں۔ میں نے ایک ایسی بات سوچی تھی جو مجھے بہت اچھی معلوم ہو رہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ میں اسے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کر دوں لیکن میں ان کا ایک حد تک لحاظ

بھی کرتا تھا۔ جب میں نے بولنا چاہا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: اپنی جگہ پر رہو۔ میں نے ان کو خفا کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ انہوں نے تقریر شروع کی اور وہ مجھ سے زیادہ حلم اور وقار کے مالک تھے۔ اللہ کی قسم میری سمجھ میں جو جو باتیں آئی تھیں اور جو مجھ کو اچھی معلوم ہو رہی تھیں ان کو انہوں نے اسی طرح یا اس سے بھی زیادہ خوش اسلوبی سے بیان کیا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے انصار! تم نے جو جو فضیلتیں اپنی بیان کیں بے شک تم ان کے لائق ہو۔ مگر یہ امرِ خلافت تو قریش ہی کے لئے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ قریش از روئے نسب اور گھر کے سارے عرب سے افضل ہیں۔ میں تمہاری امارت کے لئے دو آدمیوں کو پسند کرتا ہوں ان میں سے تم جس کی چاہو بیعت کرلو۔ پھر انہوں نے میرا اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا جو ہمارے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے ہاتھ پکڑا۔ انہوں نے جو کچھ فرمایا اس میں مجھے بجز اس بات کے اور کوئی چیز بری معلوم نہیں ہوئی۔ اللہ کی قسم مجھے اپنی گردن کا مارا جانا اس قوم کی سرداری سے جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوں بہتر معلوم ہوتا تھا۔

پھر انصار میں سے ایک شخص نے کہا: ہم اس کی جڑ اور اس کے اہم ستون ہیں۔ لہٰذا ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک امیر ہم میں سے۔

اس تجویز پر کچھ گڑ بڑ ہونے لگی، آوازیں بلند ہونے لگیں۔ مجھے ڈر محسوس ہوا کہ کہیں اختلاف نہ ہو جائے۔ میں نے کہا: اے ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنا ہاتھ تو دراز کیجئے۔ انہوں نے ہاتھ دراز کیا تو میں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور پھر مہاجرین (اس موقع پر مہاجرین کی تعداد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سمیت چار یا پانچ افراد سے زیادہ نہ تھی) اور انصار نے بھی بیعت کر لی۔ اس طرح ہم سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ پر غالب آ گئے۔ اللہ کی قسم جو امور ہمیں درپیش تھے ان میں سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے زیادہ اہم کوئی کام نہیں تھا۔ اگر ہم لوگوں کو چھوڑ کر چلے جاتے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ ہوتی تو وہ اپنے میں سے کسی شخص کی بیعت کر لیتے۔ پھر یا تو ہمیں بھی ان کی متابعت کرنی پڑتی خواہ ہم اس سے راضی ہوں یا نہ ہوں یا مخالفت کرتے تو بڑی خرابی ہوتی:

فمن بايع رجلا على غير مشورة من المسلمين فلا يتابع هو ولا الذى بايعه تغرة ان يقتلا.

پس جس نے مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی شخص کی بیعت کی تو نہ اس کی پیروی کی جائے اور نہ اس شخص کی جس کی اس نے بیعت کی ہے۔ اس اندیشہ سے کہ وہ دونوں قتل کر دیئے جائیں گے۔

(صحیح بخاری **كتاب الحدود باب رجم الحبلیٰ من الزنا ......عن ابن عباسؓ رقم الحديث ٦٨٣٠**)

سقیفہ بنی ساعدہ میں اس اچانک اور خاص بیعت کے بعد اگلے دن یعنی منگل کو مسجد میں لوگ جمع ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھے اور خطبہ دیا۔ (**وابوبکر صامت لا يتكلم** اور ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش بیٹھے رہے

کوئی بات نہ کرتے تھے) کہ:

مجھے تو یہ امید تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک زندہ رہیں گے جب ہم دنیا سے اٹھ جائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب کے بعد وفات پائیں گے۔ خیر اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے تم میں ایک نور باقی رکھا ہے جس سے تم راہ پاتے رہو گے۔ اسی نور سے اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی راہ بتلائی۔

''وان ابابکر صاحب رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم و ثانی اثنین وانہ اولی المسلمین بامورکم فقوموا فبایعوہ وکانت طائفۃ منھم قد بایعوہ قبل ذلک فی سقیفۃ بنی ساعدۃ وکانت بیعۃ العامۃ علی المنبر.''

وعن انس بن مالک سمعت عمر یقول لابی بکر یومئذ اصعد المنبر فلم یزل بہ حتی صعد المنبر فبایعہ الناس عامۃ.

بے شک ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور وہ غار میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی تھے۔ یہ تمام مسلمانوں سے زیادہ تمہارے والی ہونے کے مستحق ہیں لہٰذا تم سب کھڑے ہو جاؤ اور ان کی بیعت کرلو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ آپ منبر پر چڑھیئے۔ بڑے اصرار کے بعد وہ منبر پر چڑھے۔ پھر تمام لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

(**صحیح بخاری کتاب الاحکام باب الاستخلاف رقم الحدیث ۷۲۱۹**) مستدرک حاکم، جلد:۳ ص:۷۶۔ **السنن الکبریٰ للبیہقی**، جلد:۸، ص:۱۴۳، باب: **قتال اھل البغی الائمۃ من القریش**، کنز العمال، جلد:۳، ص:۱۳۱، **البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر**، جلد:۵، ص:۲۴۸۔۲۴۹ کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے احباب نے بھی اسی بیعت عامہ کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی لیکن صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوہ خیبر، صحیح مسلم باب **حکم الفئی**۔ مسند ابی عوانہ جلد۴ ص۱۴۶، **السنن الکبریٰ للبیہقی**، جلد:۶، ص:۳۰۰ **کتاب قسم الفئی والغنیمۃ**، تاریخ ابن جریر طبری بحث السقیفۃ (ابن خلدون نے بحوالہ طبری لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چالیس روز کے بعد بیعت کی تھی یہی صحیح ہے ملاحظہ ہو تاریخ ابن خلدون مترجم جلد اول ص۲۲۲)، تاریخ ملت، جلد: اوّل، ص:۱۲۴، مؤلفہ مفتی زین العابدین میرٹھی، سیر الصحابہ حصہ اوّل، ص:۴۲۔ مؤلفہ شاہ معین الدین ندوی اور دیگر متعدد ارباب تاریخ وسیر نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد یعنی ۶ ماہ کے بعد بیعت کی تھی یہاں اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری کے

حوالے سے اس بیعت کا ذکر ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع نہیں دی اور خود ہی نماز جنازہ پڑھا کر رات کے وقت ہی دفن کر دیا۔

فلما توفیت دفنھا زوجھا علیّ لیلا ولم یؤزن بھا ابا بکر و صلّی علیھا.

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بڑی قدر ومنزلت تھی لیکن جب ان کا انتقال ہو گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے چہرہ پر ناراضی کے آثار محسوس کیے۔ لہٰذا انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت اور ان سے صلح کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہلوایا کہ آپ ہمارے پاس تشریف لائیں اور اپنے ساتھ کسی کو نہ لائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: واللہ آپ ان کے پاس اکیلے نہ جائیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے ان سے کیا خطرہ ہے؟ میں تنہا ہی جاؤں گا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تشہد پڑھا اور فرمایا: یقیناً ہم آپ کی فضیلت اور جو کچھ اللہ نے آپ کو بزرگی دی ہے اس کے معترف ہیں اور جو خیر (خلافت وغیرہ) اللہ نے آپ کو دی ہے اس پر آپ سے حسد نہیں کرتے لیکن آپ اس معاملہ میں خود مختار ہو گئے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی وجہ سے ہم اس میں اپنا حصہ سمجھتے تھے۔

(ولکنک استبدت علینا بالامر وکنا نریٰ لقرابتنا من رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم نصیبا)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ان باتوں پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور انہوں نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت مجھے اپنی قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں زوال کے بعد بیعت کرلوں گا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہو کر منبر پر تشریف لے گئے، تشہد پڑھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کیفیت، ان کا بیعت سے تخلّف اور ان کی معذرت بیان کی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تشہد پڑھا، مغفرت کی دعا کی، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی عظمت بیان کی اور فرمایا:

''بیعت میں اس وجہ سے دیر نہیں ہوئی کہ ہمیں ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اس معاملہ میں کوئی حسد تھا اور نہ اس وجہ سے کہ ہمیں ان کی اس فضیلت کا انکار تھا جو فضیلت اللہ نے ان کو بخشی ہے البتہ اس معاملہ میں ہم اپنا حصہ سمجھتے تھے۔ ابو بکر

رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں خود مختار ہوگئے'' (پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کی) اور تمام مسلمان ان کی اس بات سے خوش ہوگئے۔ انہوں نے کہا: تم نے ٹھیک کہا اس کے بعد تمام مسلمان (حسب سابق) ان سے محبت کرنے لگے۔

(صحیح بخاری۔ کتاب المغازی باب غزوہ خیبر رقم الحدیث ۴۲۴۱ صحیح مسلم کتاب الجہاد باب قول النبیؐ لانورث......عن عائشہؓ)

اس تفصیل سے واضح ہوگیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کس طریقے سے اور کس ماحول میں ہوئی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ، ان کے احباب اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے داماد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ عدم مشاورت کی وجہ سے شاکی رہے اور خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے چند دن پہلے اپنے خطبۂ جمعہ میں سازشی حضرات کو متنبہ کرتے ہوئے اس طریقہ کو آئندہ کے لئے نظیر بنانے سے یہ کہہ کر روک دیا کہ: کوئی شخص یہ کہہ کر فریب نہ دے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی یکا یک ہوئی تھی اور اس کا انجام بخیر ہوا۔ بے شک ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت یکا یک ہی ہوئی تھی لیکن اللہ نے اس کو برائی سے بچا لیا۔ تم میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسی فضیلت ہو اب جس کسی شخص نے مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی دوسرے شخص کی بیعت کر لی تو اس کی اس خوف سے بیعت نہ کی جائے کہ وہ دونوں قتل کر دیئے جائیں گے۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث و تاریخ کی روایت کے مطابق اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے احباب نے فوری بیعت نہیں کی تھی تاہم باقی ماندہ حضرات نے اگلے دن مسجد میں بیعت کر لی تھی لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے انعقاد کے وقت سقیفہ بنی ساعدہ میں جو لوگ موجود تھے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ بالخصوص مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہ کے جملہ اہل حل وعقد نہیں کہلاتے تھے۔ اس انتخابی مجلس میں مدینے کے تمام عوام تو کجا پورے خواص بھی جمع نہ تھے چند انصار اور تین چار مہاجرین پر وہ کل مجلس مشتمل تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی فراستِ ایمانی سے حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے نطق وکلام کی تیزی اور تندی کے بعد بغیر مشورہ کے از خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی جس کی وہاں موجود شرکا نے توثیق کر دی جبکہ باقی حضرات نے اگلے دن مسجد میں بیعتِ عامہ کے ذریعے اپنے اتفاق کا اظہار کیا۔

☆......☆......☆

مولانا حکیم محمود احمد ظفر قسط نمبر (۱)

خاندانِ عثمانی کی بنو ہاشم سے رشتہ داریاں

دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بھی بنو ہاشم سے رشتہ داری تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا بنواُمیّہ سے تعلق تھا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بنو ہاشم سے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ان دونوں خاندانوں کے آپس میں رشتہ داری کے تعلقات چلے آ رہے تھے جس کا اعتراف ایک موقع پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا:

''لم یمنعنا قدیم عزنا و لا عادی طولنا علیٰ قومک ان خلطنا کم بانفسنا فنکحنا و انکحنا فعل الاکفاء.'' (نہج البلاغہ، جلد:۲، ص:۳۲)

(اے معاویہ، رضی اللہ عنہ) آپ کی قوم پر ہماری دیرینہ عزت نے ہمیں اس بات سے منع نہیں کیا کہ ہم آپ لوگوں کو اپنے میں ملائیں۔ پس ہم نے تمہاری عورتوں کے ساتھ نکاح کیے اور تم نے ہماری عورتوں سے نکاح کیے۔ جیسا کہ ہم کفو لوگ آپس میں رشتے دیتے لیتے ہیں۔

رشتۂ اوّل:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا سب سے پہلا خاندانِ بنو ہاشم سے یہ رشتہ تھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ اروٰی بنت کریز کی والدہ اُمّ حکیم البیضاء جو کہ خاندانِ بنو ہاشم سے تعلق رکھتی تھیں اور بنو ہاشم کے سردار خواجہ عبدالمطلب کی بیٹی تھیں، کا نکاح کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف سے ہوا۔ اس نکاح سے ایک لڑکی اروٰی (رضی اللہ عنہا) پیدا ہوئیں جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ دوسرے لفظوں میں ان کی والدہ نے ہاشمی دودھ پیا تھا۔ اور یہ اروٰی رضی اللہ عنہا خواجہ عبدالمطلب کی نواسی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے والد ابو طالب کی حقیقی بھانجی تھیں۔ اس لحاظ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سگے ماموں زاد بھائی تھے۔ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اُن کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ اسی وجہ سے کتابوں میں آتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کئی دفعہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ابن خالی (ماموں زاد بھائی) کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ اُمّ حکیم البیضاء کے اس رشتہ کے لیے ملاحظہ ہو: مستدرک حاکم، جلد:۳، ص:۹۶۔ کتاب المحبر لابی جعفر، لاہور۔ طبقات ابن سعد، جلد:۸، ص:۴۲۔ اسد الغابہ لابن اثیر، جلد:۵، ص:۱۹۱، وغیرہم)

رشتۂ دوم:

خاندانِ بنو ہاشم سے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا دوسرا رشتہ یہ تھا کہ آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے داماد تھے۔ اور یکے بعد دیگرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں آپ کے حبالۂ عقد میں آئیں۔ ان میں سے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی اولاد بھی ہوئی۔ ایک صاحبزادہ عبداللہ نامی پیدا ہوئے۔ جس کے نام پر آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ مسعودی نے دو لڑکوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک عبداللہ اور دسرے عبداللہ الاصغر۔ (مروج الذہب، جلد: ۲، ص: ۳۳۱)

سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاوند کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''صحمهما اللّٰه! ان عثمان لاوّل من هاجر الی اللّٰه باهله بعد لوط.''

جن لوگوں نے اپنی اہلیہ کے ساتھ اللہ کی راہ میں ہجرت کی، حضرت لوط علیہ السلام کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ اُن لوگوں میں اوّل ہیں۔ (تاریخ الخلفاء، ص: ۱۵۱، مصر)

دامادی کا یہ رشتہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بڑے فخر ومباہات کی بات تھی۔ لیکن اس پر مستزاد یہ کہ جب سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا جنگِ بدر کے موقع پر بیمار ہو کر انتقال فرما گئیں اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنی اس پیاری بیوی کے انتقال کی جدائی کی وجہ سے مغموم ومحزون تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی سیدہ اُم کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ربیع الاوّل ۳ھ میں ان کے حبالۂ عقد میں دے دیا۔ اور جمادی الاخری میں ان کی رخصتی بھی فرما دی۔ شعبان ۹ھ کو وہ اس دارِفانی سے انتقال کر گئیں۔ اس عرصہ میں وہ اپنے خاوند سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہایت خوش وخرم زندگی بسر کرتی رہی۔ لیکن ان کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔

(طبقات ابن سعد، جلد: ۸، ص: ۳۸، بیروت۔ اسد الغابہ، جلد: ۵، ص: ۶۱۲، تاریخ الخلفاء، ص: ۱۴۸، مصر)

سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''لو انّ لی اربعین بنتاً زوّجتُ عثمان واحدةً بعد واحدةٍ حتی لا یبقیٰ منهن واحدة.''

اگر میری چالیس بیٹیاں ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے عثمان رضی اللہ عنہ سے نکاح کر دیتا۔ حتی کہ ایک بھی نہ رہ جاتی۔ (تاریخ الخلفاء، ص: ۱۵۳، مصر۔ اسد الغابہ، جلد: ۳، ص: ۳۷۶)

آپ کے اسی عظیم شرف کی وجہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ سے ملاء اعلیٰ میں آپ کا نام ''ذوالنورین'' رکھا گیا۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ذاک امرأٌ یدعی فی الملاء الاعلیٰ ذو النورین کان ختن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه

وسلّم علیٰ ابنتیه.''

یہ شخص ملاءاعلیٰ میں ذوالنورین کے لقب سے پکارا جاتا ہے، کیونکہ رسوال اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو بیٹیاں دے کرانہیں اپنی دامادی کا شرف عطا فرمایا تھا۔ (تاریخ الخلفاء، ص:۱۴۹، مصر)

امام بیہقیؒ نے ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ:

''تخلیقِ آدم علیہ السلام سے لے کر قیامِ قیامت تک سوائے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے کسی شخص کے نکاح میں نبی کی دو بیٹیاں جمع نہیں ہوئیں اسی وجہ سے ان کا لقب ''ذوالنورین'' رکھا گیا۔ یعنی دونور والا۔

(تاریخ الخلفاء، ص:۱۴۹)

اندازہ فرمائیے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی سے شادی کر کے آسمانِ فضیلت کا ایک ستارہ بن گئے۔ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اسی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دو چہیتی صاحبزادیوں کے شوہرِ نامدار ہو کر بھی مقام رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ناآشنا لوگوں کی دلی عداوت کی وجہ سے مطعون کیے گئے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلی غلط بات جو کہی گئی وہ یہ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا زوجۂ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سوا آپ کی دوسری تین صاحبزادیوں سیدہ زینب، سیدہ رقیہ، اور سیدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہن کے بنات رسول ہونے ہی کا انکار کر دیا گیا۔ چنانچہ بعض نے ان کو نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں تسلیم کیا اور نہ ہی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی۔ اور بعض نے یہ کرم کیا کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں تو تسلیم نہ کیا، البتہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی پہلے خاوند کی لڑکیاں تسلیم کیا۔ گویا یہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ماں جائی بہنیں تھیں لیکن یہ دونوں باتیں حدیث و تاریخ بلکہ قرآن کی روشنی میں غلط ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت ترین توہین ہے کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابوّت سے خارج کر دینا نہ صرف ان بیٹیوں کی توہین ہے بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی توہین ہے۔ چنانچہ اس فتنہ آفرین نظریہ کے رد کے لیے جی چاہتا ہے کہ قرآن حکیم اور ان لوگوں کی کتابوں سے کچھ دلائل یہاں قارئین کرام کے لیے ہدیہ پیش کر دوں۔ جو پیغمبرِ اسلام کی بیٹیوں کو اپنے باپ سے الگ کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔　اس سلسلہ میں سب سے زیادہ یقینی اور قطعی دلیل تو خود قرآن حکیم ہے۔ قرآن حکیم میں حق تعالیٰ شانہٗ نے صاف لفظوں بنات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلہ کو حل فرما دیا۔ اور میرے خیال میں اگر اور دلیل بھی نہ ہوتی تو قرآن کی یہی ایک آیت اس مسئلہ کے اثبات کے لیے کافی تھی۔ ملاحظہ فرمائیے کہ کتنے صاف الفاظ میں حق تعالیٰ نے اس مسئلہ کو بیان فرمایا:

یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِاَزْوَاجِکَ وَ بَنَاتِکَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ......الخ

اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجیے اپنی بیویوں کواور اپنی بیٹیوں کواور مؤمنین عورتوں کو۔ (الاحزاب)

اس آیت میں صاف طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور بنات طاہرات کا ذکر فرمایا گیا جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سے زیادہ بیٹیاں تھیں۔ کیونکہ یہاں ''بنات'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جو بنت کی جمع ہے اور عربی زبان میں جمع کا صیغہ دو سے زائد اور کم از کم تین پر بولا جاتا ہے۔ ایک پر جمع کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ بعض حضرات اپنی کند ذہنی اور جہالت کی بنا پر اس لفظ کی تاویل بلکہ تحریف کرتے ہیں کہ یہاں ''بنات'' سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی بیٹیاں مراد نہیں ہیں۔ بلکہ تمام اُمّت کی عورتیں مراد ہیں کیونکہ پیغمبر اسلام تمام مومنہ عورتوں کے باپ ہیں اور وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں ہیں۔ یہ تاویل قرآن سے غبی الذہن ہونے کی بیّن دلیل ہے کیونکہ اس سے اگلے الفاظ '' وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ '' میں عام مسلمانوں کی بیویوں کے بارے میں خطاب کیا گیا جس سے اس شبہ کا ازالہ ہوگیا۔

احادیث اور تواریخ کی روایات قرآن حکیم کی اس آیت کی تائید بھی کرتی ہیں جن میں صاف طور پر بتایا کہ پیغمبرِ اسلام کی صرف ایک بیٹی نہیں تھی بلکہ چار بیٹیاں تھیں۔ زینب، رقیہ، اُمّ کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن۔ اب قرآن حکیم کی اس آیت اور احادیث وتواریخ کی ثقہ روایات کی موجودگی میں یہ کہہ دینا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا تھی۔ عناد، ہٹ دھرمی اور تعصب نہیں تو اور کیا ہے؟ میرے خیال میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو یہ کہنا کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں نہیں ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اس سے بڑی اور کوئی گستاخی نہیں ہوسکتی۔

شیعہ حضرات کی سب سے معتبر کتاب ''الکافی'' میں صاف لفظوں مرقوم ہے:

''و تزوج خديجة و هو ابن بضع و عشرين سنة فولد له منها قبل مبعثه القاسم و رقية و زينب و اُمّ كلثوم و ولد له بعد المبعث الطيّب و الطاهر و الفاطمة عليها السلام.''

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بیس اور کچھ سال کی عمر میں شادی کی۔ اور ان کے بطن سے اعلانِ نبوّت سے قبل قاسم، رقیہ، زینب اور اُمّ کلثوم پیدا ہوئیں۔ اور اعلانِ نبوّت کے بعد طیب، طاہر اور فاطمہ رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے۔''

ملّا باقر مجلسی نے ابن شہر آشوب کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

''ولد من خديجة القاسم و عبدالله و هما الطيّب و الطاهر و اربع بنات زينب، رقية و امّ كلثوم وهى آمنة و فاطمة.''

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ اولاد ہوئی، قاسم، عبداللہ، انہی دونوں کو طاہر اور طیب کہتے ہیں۔ اور چار صاحبزادیاں زینب، رقیہ امّ کلثوم جن کو آمنہ بھی کہتے ہیں اور فاطمہ سلام اللہ علیہن۔

(مرأۃ العقول، جلد:۱،ص:۳۵۲۔ حیات القلوب، جلد:۲،ص:۵۸۸، تہران)

ملّا باقر مجلسی نے اپنی مشہور کتاب ''حیات القلوب'' میں اس مسئلہ پر بڑی تفصیل سے بحث کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا کے بطن سے چار صاحبزادیاں تھیں بلکہ سوائے سیدنا ابراہیم کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری اولاد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھی۔ چنانچہ اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے کہ سیدہ زینب، سیدہ رقیہ اور سیدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہن، سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند سے تھیں۔

ملّا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ:

''و جمعے از علمائے خاصہ و عامہ را اعتقاد آنست کہ رقیہ و اُمّ کلثوم دخترانِ خدیجہ بودند از شوہر دیگر کہ پیش از شوہرے رسولِ خدا داشتہ حضرت ایشاں تربیت کردہ بود۔ و دختر حقیقی آنجناب نبودند۔ و بعضی گفتہ اند کہ دخترانِ ہالہ خواہرِ خدیجہ بودہ اند، و برنفی ایں دو قول روایاتِ معتبرہ دلالت می کنند۔''

شیعہ اور سنی علما کی ایک جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ رقیہ و امّ کلثوم، سیدہ خدیجہ کی پہلے شوہر سے لڑکیاں تھیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی، بیٹیاں نہ تھیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ سیدہ خدیجہ کی بہن ہالہ کی بیٹیاں تھیں۔ لیکن ان دونوں اقوال کی نفی پر معتبر روایات دلالت کرتی ہیں۔'' (حیات القلوب، جلد:۲، ص:۵۸۹، تہران)

اس عبارت میں ملّا باقر مجلسی نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنے قلبی عناد اور بغض کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس میں ملّا صاحب نے اس بات کو تو تسلیم کرلیا ہے کہ صرف سیدہ رقیہ اور سیدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہن کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹی ہونے میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔ جس سے یہ تو ثابت ہوتا ہے جو کہ بعض لوگوں کے لیے سوہانِ روح ہے۔

ایک اور مقام پر لکھا ہے کہ:

''ابن بابویہ بسندِ معتبر از آنحضرت روایت کردہ است کہ از برائے رسولِ خدا متولّد شد از خدیجہ قاسم و طاہر و نام عبداللہ بود، و اُمّ کلثومؓ و رقیہؓ و زینبؓ و فاطمہؓ۔ و حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام فاطمہؓ را تزویج نمود۔ زینبؓ را ابوالعاص بن ربیعہ و او مردے بود از بنوامیہ و عثمان بن عفان ام کلثومؓ را تزویج نمود و پیش از آنکہ بخانہ او برود برحمت الٰہی واصل شد۔ پس چوں بجنگِ بدر رفتند حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم رقیہ را باو تزویج نمود۔''

ابن بابویہ نے معتبر سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیدہ خدیجہؓ کے بطن سے قاسم اور طاہرؓ پیدا ہوئے۔ طاہرؓ کا اصلی نام عبداللہ تھا۔ اور اُمّ کلثومؓ، رقیہؓ، زینبؓ اور فاطمہؓ پیدا ہوئیں۔ سیدنا علیؓ نے سیدہ فاطمہؓ سے نکاح کیا۔ اور زینبؓ کی شادی سیدنا ابوالعاص بن ربیع سے ہوئی۔ اور سیدنا عثمان بن عفان کا نکاح سیدہ ام کلثوم سے ہوا۔ اور وہ پیشتر اس کے کہ سیدنا عثمانؓ کے گھر جائیں انتقال کرگئیں۔ (یہ تاریخی لحاظ سے بالکل غلط ہے۔ مؤلف) پس جب جنگِ بدر کے لیے جارہے تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ رقیہ کو ان کے نکاح میں دے دیا۔ (حیات القلوب، جلد:۲، ص:۵۸۸، تہران)

اوپر والے اقتباسات میں ملا باقر مجلسی نے صاف طور پر تسلیم کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں، سیدہ زینبؓ، سیدہ رقیہؓ، سیدہ اُمّ کلثومؓ اور سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہن اور یہ ساری سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہ کے بطن سے تھیں۔ اس بارہ میں اختلاف قرآن، حدیث اور تاریخ سے جہالت اور ذہنی غباوت کا نتیجہ ہے۔

مشہور شیعہ مؤرخ عباس قمی نے بھی بنات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں وہی کچھ لکھا ہے جو ملّا باقر مجلسی نے تحریر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

’’درقرب الاسناد واز صادق علیہ السلام روایت شدہ است کہ از برائے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم از خدیجہؓ متولد شدند۔ طاہر وقاسم وفاطمہ واُمّ کلثوم ورقیہ وزینب وتزویج نمود فاطمہ را بحضرت امیر المومنین وزینب را بابی العاص ابن الربیع کہ از بنی اُمیہ بود، واُمّ کلثومؓ را بعثمان بن عفان وپیش از آنکہ بخانہ عثمانؓ بردد برحمت الٰہی واصل شدہ، بعد از او حضرت رقیہ را باو تزویج نمود۔‘‘

قرب الاسناد میں سیدنا جعفر صادقؒ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدہ خدیجہؓ سے طاہر، قاسمؓ، فاطمہؓ، اُمّ کلثومؓ، رقیہؓ، اور زینبؓ پیدا ہوئے۔ ان میں سیدہ فاطمہؓ کی شادی سیدنا علیؓ سے ہوئی۔ سیدہ زینبؓ کی سیدنا ابوالعاصؓ بن الربیع سے ہوئی جن کا تعلق بنی اُمیہ سے تھا۔ اور سیدہ اُمّ کلثوم کا نکاح سیدنا عثمانؓ بن عفان سے ہوا، لیکن قبل اس کے کہ وہ سیدنا عثمان کے گھر رخصت ہو کر جاتیں اس دار فانی سے انتقال فرما گئیں۔ ان کے انتقال کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ رقیہ کا ان سے نکاح کر دیا۔ (منتہی الآمال، عباس قمی، جلد: ۱، ص: ۱۲۵، تہران)

شیعہ مذہب کی مشہور ترین کتاب ’’الکافی‘‘ میں بھی کئی مقامات پر یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سے زائد بیٹیاں تھیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:

عن ابی عبداللّٰہ علیہ السّلام قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اَبا بنات.

سیدنا جعفر صادقؒ (فقہ جعفریہ کے بانی) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو سے زائد بیٹیاں تھیں۔

(فروع کافی، جلد: ۶، ص: ۵، باب فضل البنات، تہران)

اسی باب میں ایک اور روایت جارود بن المنذر سے مروی ہے۔ کہتے ہیں کہ مجھے سیدنا جعفر صادق نے فرمایا:

’’بلغنی انہ ولد لک ابنۃ و انک تسخطھا و ما علیک منھا ریحانۃ تشمّھا و قد کفیت رزقھا و قد کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اَبَا بَنات.

مجھے پتہ چلا ہے کہ تیری ایک ہی لڑکی ہے اور تو اس سے غصے ہوتا ہے۔ اور تجھے اس سے کوئی انس ومحبت نہیں۔ وہ اپنا رزق کھائے گی۔ حالانکہ اگر لڑکی ایسی ہی نکمی اولاد ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹیوں والے نہ ہوتے۔

(فروع کافی، جلد: ۶، ص: ۶، تہران)

اسی کتاب میں مہر کے ایک مسئلہ کا ذکر کرتے ہوئے سیدنا جعفر صادق اپنے والد سیدنا محمد باقر کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

ما زوج النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم سائر بناتہ و لا تزوج شیئًا من نسائہ علٰی اکثر من اثنٰی عشرۃ اوقیۃ و نش. والاقیۃ اربعون درھماً و انش عشرون درھما.

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام بیٹیوں اور بیویوں کا حق مہر ساڑھے بارہ اوقیہ سے زیادہ نہ باندھا۔ایک اوقیہ ۴۰ درہم کا ہوتا ہے۔(فروع کافی، جلد:۲،ص:۱۵۶، نول کشور)

اصول اربعہ کی ایک اور مشہور کتاب ''الاستبصار اور تہذیب الاحکام'' میں ایک فقہی مسئلہ کے ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسم کی صاحبزادیوں کے مسئلہ کو یوں حل کیا گیا ہے کہ راوی حدیث یزید بن خلیفہ کہتا ہے کہ میں سیدنا جعفر صادقؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ شہر قم کے رہنے والے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا عورتیں نماز جنازہ پڑھ سکتی ہیں؟ سیدنا جعفر صادقؒ نے جواب دیا کہ:

''عن زینب بنت النبّی علیہ السّلام توفیت و انّ فاطمۃ علیھا السّلام خرجت فی نسائھا فصلّت علی اختھا.''

سیدہ زینب بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جب انتقال ہوا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دوسری عورتوں کے ساتھ اپنی بہن کی نماز جنازہ پڑھی۔(الاستبصار، جلد:۱،ص:۲۴۵، ۴۸۵۔تہذیب الاحکام، جلد:۸،ص:۱۶۱، تہران)

میرے خیال میں شیعہ محدثین اور مؤرخین میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں ہونے کا انکار کیا ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامادوں کی مخالفت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی گئی۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامادوں کے بارہ میں ایسے ایسے نازیبا الفاظ اپنی کتابوں میں نقل کیے گئے ہیں جن کو پڑھ سن کر نہ صرف کلیجہ منہ کو آتا ہے بلکہ عرشِ الٰہی بھی کانپ اُٹھتا ہے۔اس بات کا ایک معمولی سا نمونہ نعمت اللہ الجزائری کی وہ عبارت ہے جو اس نے اپنی کتاب انوار النعمانیہ میں نقل کی ہے جس میں لکھا ہے کہ روایات کے اختلاف کی بنا پر علما کا اس بارہ میں اختلاف ہوا کہ سیدہ رقیہؓ اور سیدہ اُمّ کلثومؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدہ خدیجہؓ کے بطن سے صاحبزادیاں تھیں، یا یہ سیدہ خدیجہؓ کے پہلے خاوندوں سے تھیں۔اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں صرف پرورش پائی۔ کیونکہ سیدہ خدیجہؓ نے پہلے عتیق بن عائد المخز ومی سے نکاح کیا۔اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ پھر ابو ہالہ اسدی سے شادی ہوئی، اس سے ہند بن ابی ہالہ پیدا ہوا۔ان کے بعد انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کیا۔

و ھذا الاختلاف لا اثر لہ لان عثمان فی زمن النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قد کان ممّن

اظھر الاسلام و ابطن النفاق و ھو صلی اللّٰہ علیہ وسلم قد کان مکلّفا بظواھر الاوامر کحالنا نحن ایضا و کان یمیل الیٰ مواصلۃ المنافقین رجاء الایمان الباطنی منھم مع انہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم لو اراد الایمان الواقعی لکان اقل قلیل فان اغلبہ الصحابۃ کانوا علی النفاق.

لیکن اس اختلاف کا سیدنا عثمان کے نکاح میں ان دونوں صاحبزادیوں کے یکے بعد دیگرے آنے کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ عثمان ان لوگوں میں سے تھے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بظاہر مسلمان اور باطن میں منافق تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کے ظاہری احکام کے مکلّف تھے جیسا کہ ہم ہیں۔ اور آپ منافقین کے دلی طور پر مؤمن ہو جانے کے خیال سے اُن سے میل جول رکھتے تھے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی ایمان کا ارادہ فرماتے تو بہت تھوڑے لوگ خالص مومن نکلتے۔ کیونکہ صحابہؓ کی غالب اکثریت اُس زمانے میں منافق تھی۔'' (نعوذ باللہ)

(انوار النعمانیہ، جلد: ۱، ص: ۸۰، ایران)

جاری ہے

☆......☆......☆

عقیدۂ امامت اور خلافت راشدہ

مصنّف: مولانا پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

اہم عنوانات

(۱) قادیانیوں کا تصور خلافت اور ان کے مزعومہ خلفاء کی تفصیل
(۲) خوارج کا نظریۂ خلافت
(۳) شیعہ کا نظریۂ امامت اور اس نظریے پر شیعہ کے قرآن و حدیث سے استدلال کا مدلل جواب
(۴) خلافت کے مآخذ اور خلافت کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم
(۵) خلافت کی اہمیت اور خلافت کی مروّجہ تقسیم
(۶) خلافت راشدہ اور شرائطِ استحقاقِ خلافت راشدہ
(۷) خلفائے راشدین کا طریقۂ انتخاب
(۸) امیر المؤمنین خلیفۂ راشد و عادل و برحق سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ پر تفصیلی بحث

صفحات: 832 قیمت: 700 روپے رعایتی قیمت: 450+50 روپے ڈاک خرچ

بخاری اکیڈمی، دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی، ملتان 0300-8020384

شاہ بلیغ الدین رحمۃ اللہ علیہ

سلام، اے شہیدِ راہِ خدا، سلام

یہ اُحد کے معرکے کی بات ہے۔

میدانِ جنگ میں عورتیں بھی تھیں جو مجاہدوں کو پانی پلاتی اور زخمیوں کی دیکھ بھال کرتی پھر رہی تھیں۔ انہی میں سے ایک خاتون کے پاس پہنچ کر کسی نے بتایا کہ...... تمہارے بھائی عبداللہ شہید ہوئے۔

بہن نے آنکھوں میں آنسو بھرلائے۔ مشکیزہ...... پانی سے بھرا ہوا کندھے سے لٹک رہا تھا اُسے سنبھالا اور آگے بڑھ گئیں۔ زخمی پانی کے لیے بے تاب تھے۔ بہن جو سب مجاہدوں کی بہن تھی اپنے بھائی...... سگے بھائی کے لیے چار آنسو بھی نہ بہا سکی۔ فرض کی پکار نے قدم آگے بڑھا دیے۔ بس زبان پر دعائے مغفرت جاری رہی۔

تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ پھر کسی نے بتایا کہ تمہارے ماموں بھی شہید ہوئے۔ یہ کس جیالے نے موت پائی تھی! جراءت و پامردی مدتوں اسے روتی رہیں گی۔ یہ عرب کا مانا ہوا دلیر بہترین تلوار چلانے والا۔ غضب کا جیوٹ، بلا کا شہسوار تھا...... یہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی سنا دنی تھی۔ [1] اس نیک بخت خاتون کے آنسو تھمے ہی کہاں تھے، اب اور بھی پھوٹ بہے لیکن صبر و ضبط کا دامن پھر بھی ہاتھ سے نہ چھوٹا...... مجاہدہ زخمیوں کی مرہم پٹی میں لگی رہی۔ اتنے میں میدانِ جنگ کی کایا پلٹ گئی۔ دشمن بری طرح ہار چکے تھے کہ عکرمہ اور خالد بن ولید اپنے شہسواروں کے ساتھ ایک ایسی طرف سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے جہاں سے مجاہدوں کا دستہ ہٹ گیا تھا، یہ جگہ عَینَین کہلاتی تھی۔ یہ اصل میں احد ہی کی ایک چٹان تھی۔ یہاں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ [2] کو تیر اندازوں کے ایک دستے کے ساتھ مقرر کیا تھا تاکہ مشرکینِ قریش اسلامی فوج پر پیچھے سے حملہ نہ کرسکیں۔ اس دستے کے یہاں مامور کرنے میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ مدینے میں رہنے والے یہودی فتنہ پردازوں کو ہمت نہ ہو کہ بستی سے نکل کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں۔ یہودی مشرکینِ قریش کے دوست تھے اور ایسے موقعوں کی تاک میں رہتے تھے۔ چنانچہ جنگِ خندق میں موقع مل گیا تو انہوں نے غداری کا مظاہرہ کیا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بڑی جراءت سے ان کی بساط الٹ دی تھی۔ عینین کے مقام پر جو مجاہد جمع تھے وہ لڑائی کا پہلا مرحلہ ختم ہو جانے کے بعد میدانِ جنگ میں بکھر گئے تھے۔ یہ غلطی بڑی بھاری غلطی تھی۔ مسلمانوں کو اس کا سخت خمیازہ بھگتنا پڑا۔ [3]

مسلمان اس وقت میدانِ جنگ میں ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ کچھ غنیمت اکٹھی کر رہے تھے۔ کچھ ستانے کو ایک طرف ہو گئے تھے۔ ایسے میں کافروں کی یہ ٹکڑی بڑھی آئی۔ جو چند مسلمان میدانِ جنگ میں باقی رہ گئے تھے وہ کیا

چوکتے، دشمنوں کے منہ پر تلواریں مارنے لگے۔ جنگ کا ایسا ہنگامہ گرم ہوا کہ تلواروں کی آنچ اور نیزوں کے لپکتے، سرسراتے شعلوں سے بدن جل اٹھے۔ اچھے اچھوں کا زورڈہ گیا۔

اس ہنگامۂ داروگیر میں بھی اسلامی پرچم برابر لہراتا رہا...... یہ ایک ایسے بہادر کے ہاتھ میں تھا جو جنگ کی کڑک دمک کو خاطر ہی میں نہ لاتا تھا۔ لوہے کی لاٹ تھا یا پتھر کی چٹان کہ جہاں کھڑا تھا سو بس کھڑا ہی تھا۔

کالی آندھی جس لپٹ جھپٹ سے آگے بڑھتی ہے ویسے ہی ایک دشمنِ خدا، اللہ کے اس سپاہی کی طرف بڑھا۔ ظالم سے دیکھا نہ جاتا تھا کہ اسلامی پرچم میدانِ جنگ میں لہراتا رہے۔ وہ اچانک وہاں پہنچا۔ علم بردار کو خبر نہ تھی کہ دشمن کی تلوار اُٹھی۔ یہ ابن قُمّیہ کی تلوار تھی۔ تازہ باڑھ رکھی ہوئی نشانے کی پکی تلوار! جن ہاتھوں میں یہ تلوار تھی وہ لوہا لگے ہوئے ہاتھ تھے۔ ابن قُمّیہ کا بھرپور وار مجاہد کے اس ہاتھ پر پڑا جس ہاتھ سے اس نے جھنڈا اونچا کر رکھا تھا۔ تلوار ہاتھ کو کہنی سے کاٹ گئی۔ قیامت کا مرحلہ تھا لیکن مجاہد نے فوراً دوسرے ہاتھ سے پرچمِ اسلامی کو سنبھال لیا۔ دل میں ایک ہی خیال تھا کہ جھنڈا اونچا رہے ہمارا! اور یہ جھنڈا اونچا رہا۔

ابن قُمّیہ سمجھا تھا کہ...... مجاہد بھاگ کھڑا ہوگا اور اسلامی پرچم میدانِ جنگ میں دیکھے دکھائی نہ دے گا لیکن جیسے کسی نے اس کے منہ پر زور سے طمانچہ رسید کیا۔ مجاہد برابر اپنی جگہ ڈٹا رہا۔ اس کے ایک ہاتھ سے خون کے فوارے پھوٹ رہے تھے لیکن دوسرے ہاتھ میں جھنڈا اُسی شان سے لہرا رہا تھا۔

غصے سے کف تھوکتا اپنی آگ میں آپ جلتا ابن قُمّیہ پینترا کاٹ کر پھر آگے آیا۔ وہ سوار، مجاہد پیادہ! وہ ہتھیاروں سے لیس، مجاہد کا سیدھا ہاتھ کٹا ہوا، مقابلہ طاقت کا نہیں جراءت کا تھا۔ مجاہد کی جراءتِ ایمانی کا کیا کہنا! ابراہیم بن محمد کی روایت [4] طبقات میں ہے کہ دوسرے ہاتھ سے مجاہد پرچم تھامے کلام اللہ کی آیتیں دہرا رہا تھا۔ [5] ابن قُمّیہ نے اس خدا مست کو اس قدر بے نیاز دیکھا تو دوسرا وار کیا۔ اُس وار نے مجاہد کا دوسرا ہاتھ کاٹ دیا ؎

رقص جو لوگ کیا کرتے ہیں تلواروں پر
وہ کہاں دل و جاں کی فکر کرتے ہیں
یلغار میں قضا کے فرشتے تھے ہم رکاب

تو ہوا کریں یہاں تو زبان پر اللہ کا کلام تھا اور دل کو یہ ڈھارس تھی کہ ؎

شکر ہے تڑپے نہ زیرِ خنجرِ خونخوار ہم

ابنِ قُمّیہ ...... دشمن دیں خوش تھا کہ اب اسلامی پرچم زمین پر گر پڑے گا لیکن یہ اس بدبخت کی بھول تھی۔ ایک طمانچہ اور اس کے منہ پر پڑا۔ ابن قُمّیہ نے حیرت اور بے بسی سے دیکھا کہ مجاہد نے اپنے دونوں ٹوٹے ہوئے بازو جوڑ لیے اور پرچم اسلامی کو سینے سے لگا لیا۔ اللہ رے جراءتِ ایمانی......

مرد سپاہی تھا وہ اس کی زرہ لا الہ　　　　سایۂ شمشیر میں اس کی پناہ لا الہ

ہاتھ سے خون شرّ اٹے بھرتا نکل رہا تھا۔ موت سر پر منڈلا رہی تھی مگر واہ رہے دم خم! ہر یورش ہر تگ وتاز سے بے پروا، اس مردِ میداں کے دل میں تو بس ایک ہی خیال بسا ہوا تھا......

جھنڈا اُونچا رہے ہمارا۔

ابنِ قُمیّہ کے دل کی لگی سر میں جا بھڑکی۔ آگ تھا۔ آتش فشاں بن گیا۔ بڑی حقارت سے اپنی تلوار کو دیکھا۔ کس کام کی تھی یہ! اس کا ہر وار قاتلانہ تھا لیکن ہر وار خود اسی کو بے بس کر گیا، یہ وار مجاہد پر نہیں اس کے اپنے دل پر لگے تھے۔ جھنجھلا کر تلوار اس نے پھینک دی۔ گھوڑا پھیرا، برچھا نکلا، گھوڑے کو ایڑ دی اور پوری طاقت سے نیزہ مجاہد کے سینے میں گھونپ دیا۔ طبقات میں ہے اس قوت سے اس نے نیزہ پھینکا تھا کہ مجاہد کا جسم چھیدتا نیزہ ٹوٹ کر پار جا گرا۔ مجاہد کے پیر لڑکھڑا رہے تھے۔ جسم بے قابو ہوا جا رہا تھا کہ سُوَیط سعد اور ابوالرّوم بن عمری کی نظریں ان پر پڑیں۔ دونوں دوڑے۔ ابوروم نے پہلے پہنچ کر جھنڈا لے لیا۔ یہ جھنڈا اُونچا تھا اُونچا ہی رہا۔ ایک بھائی نے اس کے لیے جان دی تھی اب دوسرے بھائی نے اسے اٹھالیا اور دشمنوں کے وار سہنے کے لیے اپنا سینہ تان دیا۔

یہ مجاہد جس نے بے نظیر جراءتِ ایمانی کا مظاہرہ کیا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھے۔[6] وہ نیک بخت خاتون جسے کچھ دیر پہلے اس کے بھائی اور ماموں کے مرنے کی اطلاع دی گئی تھی اب اسے کسی نے بتایا کہ تمہارے شوہر بھی اللہ کو پیارے ہوئے۔ گھاؤ پر گھاؤ دل پر لگ رہے تھے۔ بہت ضبط کیے بیٹھی تھیں۔ طبری میں ہے یہ خبر سنی تو بے اختیار چیخ اُٹھیں۔ یہ حمنہ بنتِ جحش تھیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیلات سنیں تو ارشاد فرمایا کہ:

''عورت کے دل میں شوہر کے لیے خاص جگہ ہوتی ہے۔''

حمنہ اس آفت میں بھی روتی دھوتی زخمیوں کی طرف بڑھیں۔ اپنا فرض بجالانے میں لگ گئیں، اللہ رے جراءتِ کردار!

لڑائی ختم ہوئی، کافر میدانِ جنگ سے پھر گئے۔ شہیدوں کی لاشیں دفن کرنے کے لیے رکھی گئیں۔ حضرت مُصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی لاش بھی انہی میں تھی۔ حال یہ تھا کہ ایک چھوٹی سی چادر اوپر پڑی تھی۔ سر ڈھانکتے تو پیر کھل جاتے۔[7] مجبوراً پیر ڈھانکنے کے لیے ان پر گھاس ڈال دی گئی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لاش کے پاس کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا کہ:[8]

''میں نے تم کو مکّے میں دیکھا تھا۔ جہاں تم جیسا خوب صورت جوان اور تم جیسا خوش پوش آدمی کوئی اور نہ تھا لیکن آج دیکھتا ہوں کہ تمہارے بال الجھے ہوئے ہیں اور جسم پر صرف ایک چادر ہے وہ بھی چھوٹی۔''

پھر شہدا کی لاشوں پر نظر ڈالتے ہوئے ارشاد ہوا کہ:

''بے شک خدا کا رسول گواہی دیتا ہے کہ تم لوگ قیامت کے دن بارگاہِ خداوندی میں حاضر رہو گے۔ قسم ہے

اس ذات کی جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے کہ قیامت تک جو بھی ان پر سلام بھیجے گا وہ اس کا جواب دیں گے۔''[9]

''سلام اے شہیدِ راہِ خدا تجھ ساری اُمتِ مسلمہ کا سلام''

(مأخوذ از: رزمِ حق وباطل)

حواشی

[1] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رشتہ تو حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ سے چچا کا تھا لیکن رضاعی بھائی بھی ہوتے تھے کیونکہ ثُویبہ نے دونوں کو دودھ پلایا تھا۔ عمر بھی برابر تھی، کوئی کہتا ہے کہ دو برس بڑے تھے، کوئی کہتا ہے چار برس۔ ابو عمارہ اور ابو یعلیٰ کنیت تھی، خدا نے اولاد تو دی لیکن بیٹے پوتے باقی نہ رہے۔ نبوت کے چھٹے سال ایمان لے آئے، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دارِ ارقم میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ بچپن سے مردانہ کھیلوں کے شوقین تھے۔ تیر اور تلوار چلانے میں طاق تھے۔ میدانِ جنگ میں نکلتے تو دونوں ہاتھوں سے تلوار چلاتے۔ شیرِ خدا بھی کہلاتے تھے اور شیرِ رسول بھی۔ ہجرت کے ۳۲ ویں مہینے انسٹھ برس کی عمر میں شہید ہوئے۔ احد میں سب سے پہلے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر نماز جنازہ پڑھی، پھر دوسرے شہیدوں کے ساتھ ملا کر ستر مرتبہ ان پر نماز جنازہ پڑھی گئی۔ سیّد الشہداء کا لقب پایا۔

[2] ابن جبیر مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

[3] حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی سختی سے تاکید کی تھی کہ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔ تیر اندازوں کے وہاں رہنے سے میدانِ جنگ میں دشمن سے اسلامی فوج کا عقبی حصہ محفوظ تھا۔

[4] ابن سعد، طبقۂ مہاجرین۔ تذکرہ مصعب الخیر

[5] سورۃ آلِ عمران، رکوع: ۱۵

[6] اس وقت مسلمان ہوئے جب حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم دارِ ارقم میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ مکے کی اعلیٰ سوسائٹی میں بہت اونچا مقام تھا، بڑے خوش پوش اور خوش رو تھے۔ ایمان لے آئے تو تمام ذوق وشوق چھوڑ دیے۔ ماں نے جو انہیں بے حد چاہتی تھیں، یہ سزا دی کہ قید کر دیا، آخر ترکِ وطن کر کے حبشہ چلے گئے، وہاں سے لوٹے تو ابھی ہجرتِ طیبہ کا حکم نہیں آیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغِ دین کے لیے وہاں بھیج دیا۔ یہاں حضرت اسعد بن زرارہ کے ساتھ مل کر انہوں نے اشاعتِ اسلام کی لگاتار کوشش کی، اللہ نے محنت کا پھل دیا۔ جب مسلمانوں کی خاصی تعداد ہو گئی تو انہوں نے حضرتِ سعد بن خیثمہ کے مکان پر جمعہ پڑھایا۔ اس کی اجازت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے لی گئی تھی۔ یہ تاریخ اسلام کا پہلا جمعہ تھا۔ غزوہ بدر میں بھی علم بردار رہے۔ جتنا کلام اللہ اس وقت تک اتر چکا تھا اس کے حافظ تھے۔

[7] سعد بن ابراہیم (بخاری۔ مغازی) اور ابن سعد

[8] شافعِ روزِ جزا نے پہلے کلام اللہ کی ایک آیت پڑھی۔ مطلب ہے...... مومنین میں سے چند آدمی ایسے ہیں جنہوں نے خدا سے جو کچھ عہد کیا تھا، اس کو سچا کر دکھایا۔ پھر لاش کو خطاب کر کے اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا۔

[9] طبقاتِ ابن سعد۔

شورش کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ

اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا

(وصال: ۱۷؍ رمضان المبارک، ۵۸ ہجری)

ہوں مرے ماں باپ قرباں اس مقدّس نام پر
عائشہ کے سینکڑوں احسان ہیں اسلام پر
جس کی عصمت کی گواہی دی کلام اللہ نے
جس کی غیرت کے نشاں ہیں دامنِ ایّام پر
جس کو بخشا تھا پیمبر ﷺ نے حمیرا کا لقب
مہر و مہ کی رونقیں قربان اُس کے نام پر
جس کے فرزندوں نے سیلِ بیکراں کے روپ میں
اپنی سطوت کے علم لہرائے روم و شام پر
جس پہ باندھا تھا خدا کے دشمنوں نے اِتہام
آج تک انسان شرمندہ ہے اس الزام پر
سیّد الکونین ﷺ کی سیرت کا نورانی ورق
جیسے صیقل جگمگاتی ہو دلِ صمصام پر
ہم گنہگاروں کا شورشؔ کون ہے ان کے سوا
خواجۂ کونین ﷺ کی رحمت ہے خاص و عام پر

☆......☆......☆

وسعت اللہ خان

کیا ملالہ ملالہ لگا رکھا ہے؟

جس طرح ٹھوس ایک خاص درجۂ حرارت پر مائع اور پھر مائع ایک خاص درجۂ حرارت پر گیس میں تبدیل ہو جاتا ہے، اسی طرح جب کسی شخص کو کئی برس سے لگاتار اپنے متعلق اہلِ محلّہ سے بس برائیاں سننے کو ملیں تو وہ خود احتسابی پر غور کرنے کے بجائے کچھ عرصے تو غصے میں کھولتا رہتا ہے۔ چند ماہ بعد یہ غصہ جھنجھلاہٹ میں بدل جاتا ہے اور رفتہ رفتہ جھنجھلاہٹ بے حسی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی اپنا یا پرایا کسی بات یا خوبی کو سراہے بھی تو لگتا ہے کہ سراہنے والا طنز فرما رہا ہے۔ چنانچہ تعریف سن کر بھی ممدوح کو کاٹ کھانے کو جی چاہتا ہے۔ بالکل اسی طرح جب ایک مسلسل محروم شخص کو کوئی تحفہ اچانک ملے تو وہ یہ سوچ کر ڈر جاتا ہے کہ اس نوازش کے پیچھے بھی کوئی چال نہ ہو۔

یہ کیفیت کسی بھی ایسے فرد، سماج یا قوم پر طاری ہو سکتی ہے جنہیں ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہتا ہے کہ ہو نہ ہو ہم دیدہ و نادیدہ قوتوں کے مسلسل محاصرے میں ہیں اور وہ ہماری تہذیب، معیشت، جغرافیے اور عقائد کے درپے ہیں۔ اور اگر ہم سیدھے سیدھے زہر سے نہ مرے تو پھر ہمیں میٹھے میں چھپا کر زہر دیا جائے گا۔ لہٰذ خبردار کبھی کسی پر یقین نہ کرنا اور کسی بھی مہربانی کو شبہے کے عدسے سے گزارے بغیر قبول نہ کرنا۔ اس مسلسل کیفیت کے سبب فرد ہو یا قوم، دونوں کی خود اعتمادی اس طرح مجروح ہوتی ہے کہ اس کی واپسی نسلوں تک نہیں ہو پاتی۔ ایسے لوگ خود کو بے چارگی کی چادر میں لپیٹ کر تسکین پاتے ہیں۔ دکھڑوں کے نوالوں اور آہوں کے شربت پہ گزارہ کرتے ہیں اور اگر کوئی انہیں اس کیفیت سے نکالنے کی کوشش بھی کرے تو پہلی گالی اس رضا کار کو ہی پڑتی ہے۔

اب ملالہ کو ہی دیکھ لیں۔ سر پر گولی لگنے سے اقوامِ متحدہ کی چلڈرن اسمبلی سے خطاب تک بہت سوں کو یقین ہی نہیں آ رہا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ ملالہ سے مہربانی فی سبیل اللہ کیسے ہو سکتی ہے۔ اس کے پیچھے یقیناً کوئی بہت بڑا ڈرامہ ہے۔ اور پھر کڑیوں سے کڑیاں یوں ملائی جاتی ہیں۔

کیا ثبوت ہے کہ ملالہ کو گولی مارنے والا کوئی طالب ہی تھا۔ ملالہ فیملی کی کسی سے خاندانی دشمنی بھی تو ہو سکتی ہے۔ ٹھیک ہے طالبان کی جانب سے کسی نے اُسے گولی مارنے کی ذمہ داری قبول کر لی لیکن اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ جس نے کسی گم نام مقام سے فون کر کے ذمہ داری قبول کی وہ کوئی طالبان ترجمان ہی تھا۔

کیا کہا؟ ملالہ کو سر کے بائیں حصے میں گولی لگی تھی۔ ہاہاہاہا...... اور اسے یہ بھی ہوش رہا کہ پشاور کے ہسپتال سے ہیلی کاپٹر میں سوار ہونے تک گلابی کپڑے پہنے ہیں اور پنڈی میں ہیلی کاپٹر سے اُترتے ہی لباس کا رنگ سبز کر دینا ہے اور سر پہ بندھی

پٹی پر خون کا دھبہ بھی بائیں سے دائیں کھسک جائے گا۔اور کمبائنڈ ملٹری ہسپتال پنڈی والے تو کہہ رہے تھے کہ گولی سر کے اندر گہری چلی گئی ہے اور اگر وہ بچ بھی گئی تو شاید یادداشت واپس نہ آسکے۔تو پھر یہ کیا ہوا کہ پلک جھپکتے میں ابوظہبی کے حکمران کی ائیر ایمبولینس بھی آگئی اور ملالہ سفر کے قابل بھی ہوگئی اور اسے برمنگھم پہنچا دیا گیا اور صرف تین ہفتے کے علاج کے بعد نہ صرف ہوش میں آگئی بلکہ سکول بھی جانے لگی۔اور پھر تین ماہ بعد کبھی اس ملک جا رہی ہے تو کبھی وہ انعام وصول کر رہی ہے۔تو کبھی فلاں بادشاہ سے داد لے رہی ہے تو کبھی اپنے نام پر قائم ایجوکیشنل فنڈ کا افتتاح کر رہی ہے۔اور ثبوت چاہتے ہو تو پھر یہ لو۔

میڈونا جیسی بے باک گلوکارہ جو اپنے باپ کے مرنے پہ نہ روئی اس کو ملالہ اچانک اتنی اچھی لگ گئی کہ اس نے اپنی برہنہ کمر پر ملالہ کھدوا لیا اور اس کے نام کا گانا بھی کمپوز کر لیا۔کیا اب بھی امریکی سی آئی اے کی طرف آپ کا کوئی دھیان نہیں گیا۔اور یہ ملالہ اور ان کے والد گولی لگنے سے پہلے اسلام آباد کے امریکی سفارت خانے میں کن کن لوگوں سے مل رہے تھے۔کیا اب بھی شک ہے کہ گولی مارنے کے ڈرامے کو وہاں آخری شکل نہیں دی جا رہی تھی۔

اچھا تو آپ کہتے ہیں کہ کوئی تو بات ہوگی ملالہ کی قربانی میں کہ سابق برطانوی وزیر اعظم گورڈن براؤن ملالہ ایجوکیشنل ٹرسٹ کے لیے متحرک ہوگئے۔کیا وہ اتنے ویلے آدمی ہیں کہ انہیں اپنے لیے دنیا میں سب سے اہم کام یہی نظر آیا۔انہیں کہیں بھی فی لیکچر پرویز مشرف کی طرح کم از کم ایک لاکھ ڈالر مل سکتے تھے۔مگر گورڈن براؤن پوری دنیا میں ملالہ ٹرسٹ کے لیے پیسے جمع کرتے پھر رہے ہیں۔واہ جی واہ۔کہیے کہیے کہ مسٹر براؤن یہ کام دکھی انسانیت کے لیے کر رہے ہیں اور اس کے پیچھے ان کا کوئی اور مفاد نہیں۔ہے نا......

ہاں تو ملالہ نے نازیوں کے ڈر سے ایمسٹرڈم کے ایک زیرِ زمین کمرے میں چھپی گیارہ سالہ یہودی بچی این فرینک کی طرح طالبان کے سوات پر قبضے کے زمانے میں ڈائریاں لکھی تھیں۔کیا ثبوت ہے کہ دس گیارہ سال کی ایک بچی اتنی بالغانہ نثر لکھ سکتی ہے۔کیا ثبوت ہے کہ بی بی سی نے کسی اور سے یہ ڈائریاں لکھوا کے ملالہ کے نام سے دو ہزار آٹھ میں نہیں چھاپی تھیں۔تو جناب یہ سازش تب پروان چڑھنی شروع ہوئی تھی اور پھر جب گولی لگی تب تک دنیا یہ بات قبول کرنے کے لیے تیار ہو چکی تھی کہ ملالہ کوئی سُپر گرل ہے۔

ہاں ہاں ہمیں معلوم ہے کہ ٹائم اور نیوز ویک کے کئی سرورق ملالہ کی بھولی بھالی تصویر چھاپ چکے ہیں۔اور اسے سال کے سو طاقتور عالمی لوگوں کی فہرست میں بھی جگہ دی جا چکی ہے۔تو کیا آپ کو یہ بھی بتانے کی ضرورت ہے کہ امریکی میڈیا کو کون سا نسلی گروہ کنٹرول کرتا ہے اور اس کا ایجنڈہ کس قدر پاکستان اور اسلام دوست ہے۔اور پلیز ہمیں یہ بتا کر ملالہ کے رعب میں لینے کی کوشش نہ کریں کہ دنیا بھر کے دو ملین بچوں نے اپنے دستخطوں سے ملالہ کو امن کے نوبیل انعام کے لیے نامزد کیا ہے۔اور یہ کہ تیس ممالک کے تیس نوعمر گلوکاروں نے ملالہ کی سولہویں سالگرہ پر اقوامِ متحدہ کی فرمائش پر ''میں بھی ملالہ ہوں'' کے عنوان سے ایک گیت تیار کیا ہے جو اس وقت سو سے زائد ممالک سکولی بچوں میں ہاٹ چاکلیٹ کی طرح مقبول ہے۔

اچھا تو آپ اس خبر کے رعب میں آ گئے کہ ملالہ کے یومِ پیدائش کو اقوامِ متحدہ نے ملالہ ڈے قرار دیا ہے اور آئندہ ہر سال اس دن دنیا بھر میں بچیوں کی تعلیم کی اہمیت پر زور دیا جائے گا۔ نیلسن منڈیلا کے بعد ملالہ دوسری شخصیت ہے جس کی سالگرہ اقوامِ متحدہ نے اپنالی ہے۔ یہ اقوامِ متحدہ کون ہے۔ وہی نا جس کا ہیڈ کوارٹر نیویارک میں ہے۔ وہی نیویارک جہاں سب سے زیادہ امریکی یہودی رہتے ہیں۔ وہی اقوامِ متحدہ، جس کا پچیس فیصد بجٹ امریکہ سے آتا ہے اور پھر امریکہ اس سے جب چاہتا ہے مجرا کراتا ہے۔

اگر ملالہ کے اقوامِ متحدہ سے خطاب کی واقعی کوئی اہمیت ہوتی تو کیا پاکستانی میڈیا اسے سر پہ نہ اٹھالیتا؟ ہاں بی بی سی، سی این این اور دور درشن نے یہ تقریر براہِ راست دکھائی کیونکہ انہیں تو دکھانی ہی تھی۔ لیکن سلام ہے پاکستانی میڈیا پر جس نے قومی حمیت وغیرت کا بھرپور ثبوت دیا اور ملالہ کی صرف سترہ منٹ کی تقریر براہِ راست نشر کرنے سے گریز کیا۔ (کاش ملالہ کا نام الطاف حسین یا طاہر القادری ہوتا)۔ اور سلام ہے سرکاری ٹی وی کو جس کے صرف انگریزی چینل نے ملالہ کی انگریزی تقریر براہِ راست دکھائی اور سرکاری چینل کی اردو نشریات میں اس کو صرف خبر کے طور پر نشر کیا۔ سلام ہے اس نجی چینل کو بھی کہ جس نے ملالہ کی مختصر تقریر کی ایک جھلک دکھا کر خصوصی رمضان ٹرانسمیشن وہیں سے جوڑ دی جہاں سے منقطع کی تھی اور سلام ہے اردو اخبارات کو جنہوں نے ملالہ کی فضول سی تقریر کو شہ سرخی بنانے سے گریز کر کے اعلیٰ پیشہ وارانہ صحافتی روایات کی آبرو رکھ لی۔ ایک آدھ انگریزی اخبار نے ضرور اسے شہ سرخی بنایا لیکن انہیں کتنے لوگ پڑھتے ہیں؟

اگر ملالہ اتنی ہی توپ چیز ہوتی تو دنیا کے سو ممالک کے بچوں کی یو این اسمبلی میں پاکستانی بچوں کا وفد بھی ہوتا۔ پاکستان کے خارجہ امور کے دو وفاقی مشیروں میں سے کم از کم ایک تو ضرور ہی جاتا۔ لیکن چونکہ سیاست دانوں کا قوم کی نبض پر ہاتھ رہتا ہے لہذا وزیرِ اعظم نواز شریف یا اُن کی کابینہ کی جانب سے ملالہ کی سالگرہ پر نیک تمناؤں کا کوئی پیغام نہیں گیا۔ صدر زرداری نے ضرور ایک تہنیتی پیغام بھیجا مگر زرداری صاحب کے بارے میں تو آپ اچھی طرح جانتے ہی ہیں......

معلوم نہیں ملالہ کے آبائی سوات میں اس کی سالگرہ پر کوئی کیک کٹا یا پشاور کے چیف منسٹر ہاؤس میں خیبر پختون خوا کی اس بیٹی کو یاد رکھا گیا یا نہیں۔ البتہ جے پور کے ایک سکول میں بچوں نے ضرور ملالہ کی سالگرہ منائی۔ کیا اب بھی ثبوت چاہیے کہ ملالہ کن لوگوں کے ہاتھوں میں کھیل رہی ہے......

ہم نے تو ڈاکٹر عبدالسلام (قادیانی) کے نوبیل انعام کو نہیں مانا تو پھر مغرب کی ڈارلنگ ملالہ کس کھیت کی مولی ہے...... بھلا جو شخص مسلمانوں جیسا نام رکھ کے دھوکہ دے سکتا ہو۔ اس کی سائنسی تحقیق کا بھی کیا اعتبار......سب سازش ہے......سب ڈرامہ ہے......سب پاکستان کو بدنام کرنے کا منصوبہ ہے......اب زہر بھی تعریف اور انعامات کی شکل میں دیا جا رہا ہے۔ لیکن خبردار......ہم زندہ قوم ہیں۔ اپنا اچھا برا بخوبی جانتے ہیں۔ دشمن کسی غلط فہمی میں نہ رہے......

(مطبوعہ: روزنامہ ''ایکسپریس''، 16/ جولائی 2013ء)

حبیب الرحمٰن بٹالوی

چلّو میں اُلّو

ایک دوست بیان کرتے ہیں کہ میرے گھر کی چھت پر تعمیر کا کام ہو رہا تھا۔ مستری، مزدور پردے کی آواز دے کر اوپر چلے جاتے۔ سارا دن کام میں لگے رہتے۔ ایک مستری نے مجھے کہا صاحب! آپ سے ایک بات کرنی ہے۔ میں نے کہا بتاؤ، کہنے لگا ہم چھت پر کام کر رہے ہوتے ہیں کہ سامنے والی کوٹھی کے صحن میں اس کا مالک نہانے آجاتا ہے۔ میں نے کہا اس میں تمہیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ مگر وہ برہنہ نہا رہا ہوتا ہے۔ میں نے کہا تمہیں اس سے کیا غرض کہ کوئی اپنے گھر میں کیسے نہا رہا ہے۔ تم اپنے کام سے کام رکھا کرو۔ اوّل تو ایسا ممکن نہیں۔ تمہیں ضرور کوئی مغالطہ ہوا ہوگا۔ کہنے لگا۔ اچھا! کسی دن آپ کو دکھا دیں گے۔ چنانچہ ایک دن مستری نے مجھے اوپر بلایا اور میں نے دیکھا کہ واقعی گھر کا مالک، ٹونٹی کے نیچے بیٹھا نہا رہا ہے اور بالکل برہنہ ہے۔ میں کیا کر سکتا تھا!

میں نے ایک دن اپنے ایک دوست سے ایسے ہی بات کی۔ وہ کہنے لگا۔ وہ میرا جاننے والا ہے۔ کسی دن اس کے ہاں چلیں گے اور اس سے بات کریں گے۔ میں نے کہا۔ آپ کیسے بات کریں گے؟ لڑائی ہو جائے گی۔ بات ہی ایسی ہے۔ کہنے لگے۔ تم چلو تو سہی! چنانچہ ایک دن ہم دونوں اس ہمسائے کے گھر گئے۔ وہ صاحب بڑی مروّت سے پیش آئے۔ چائے منگوائی۔ میز پر انواع و اقسام کے کیک بسکٹ، مٹھائی چن دی گئی۔ چائے کے دوران میرے اس دوست نے ان سے کہا۔ یار حد ہوگئی۔ تمہارے گھر کے صحن میں تمہارا کوئی ملازم روزانہ نہاتا ہے۔ اور ننگا نہاتا ہے۔ وہ سامنے مستری مزدور کام کر رہے ہیں۔ بڑے جز بز ہوتے ہیں۔ کہنے لگا۔ میرے نوکروں کی یہ جراءت؟ اس نے آواز دی۔ اس کے کوئی پانچ چھے ملازم تھے۔ سب آ گئے۔ اس نے کہا تم میں سے کون بدبخت ہے جو روزانہ میرے صحن میں برہنہ نہاتا ہے۔ مجھے بتاؤ ورنہ میں بری طرح پیش آؤں گا۔ تمہیں یہ ہمت کیسے ہوئی کہ میرے گھر کے صحن میں تم ایسے نہاؤ۔ یہ میرے لیے بدنامی کا باعث ہے۔ میں مار مار کے تمہارا بھرکس نکال دوں گا۔ وہ ملازم بے چارے خوف کے مارے تھر تھر کانپ رہے تھے۔ کہنے لگے۔ صاحب! ہم آپ کے گھر میں یہ جراءت کیسے کر سکتے ہیں؟ ہم تو یہاں کبھی نہائے ہی نہیں۔ وہ صاحب ہم سے کہنے لگے۔ دیکھو! میری کوٹھی کے کئی باتھ روم ہیں اور سارے کے سارے، غسل وغیرہ سے متعلق، قیمتی سامان سے آراستہ ہیں۔ ایسے لگژری واش روم کے ہوتے ہوئے کون بے وقوف ہے جو باہر نہائے گا۔ آپ کے لوگوں کو ایسے ہی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔

قارئین کرام! ہم نامراد و ناکام، بے نیل و مرام واپس آئے۔ راستے میں میرے دوست نے مجھے بتایا کہ یہ آدمی شراب پیتا ہے۔ اور شراب پینے والے کی دماغی حالت ایسے ہی ہوتی ہے۔ اسے شادیاں کرنے کا بڑا شوق ہے۔ حال

ہی میں اس نے اپنی ایک نوکرانی سے شادی کی ہے۔ شراب خانہ خراب نے اس کی یہ حالت بنا رکھی ہے اور ؎

اوّل شر بشر میں ہے پھر شر شراب میں
ممکن نہیں شراب پئیں اور شر نہ ہو!

قارئین! کہتے ہیں شراب آدمی کے اندر جاتی ہے تو آدمیت باہر آ جاتی ہے۔ چلّو بھر شراب، آدمی کو اُلّو بنا دیتی ہے۔ شراب نفس کو بے قابو کر دیتی ہے۔ اپنے پرائے کا ہوش نہیں رہتا۔ شراب دیا سلائی دکھانے سے مشتعل ہو جاتی ہے۔ ذرا تصور میں لائیں کہ اس سے شرابی کا جسمانی اور ذہنی طور پر کیا حال ہوتا ہوگا۔ آپ ایک تازہ انڈہ توڑ کر شراب میں ڈالیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ انڈہ، ابلتے ہوئے انڈے کی طرح سخت ہو جائے گا۔ گوشت کے دو ٹکڑے لیں۔ ایک کو پانی میں ڈال دیں اور دوسرے کو شراب میں۔ تین دن کے بعد آپ دیکھیں گے کہ پانی والا ٹکڑا اپنی اصلی حالت میں ہے اور شراب والے ٹکڑے پر ایک طرح کی سفیدی اور غبار سا آ گیا ہے۔ شراب میں عارضی مسرت اور ابدی مضرت ہے۔ اس کی تلخی نا قابلِ برداشت ہے۔ اس کا چند ساعت کا سرور، دیرپا غرور کا حامل ہے۔

گلاسوں میں جو ڈوبے پھر نہ ابھرے زندگانی میں　　　ہزاروں بہہ گئے ان بوتلوں کے بند پانی میں
نہ کر برباد اپنی زندگی بوتل کے دیوانے　　　وہ کاٹے گا بڑھاپے میں جو بوتا ہے جوانی میں
یہ دارو کا پیالہ موت کا کڑوا پیالہ ہے　　　ملا ہے زہر شربت میں چھپی ہے آگ پانی میں

شراب نوشی کی عادتِ بد میں مبتلا وہی شخص نظر آتا ہے جس پر اللہ کا قہر ہو۔ ورنہ ایک عقل مند آدمی اس آتشِ سیال میں گرنا پسند نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، شراب، جوا، آستانے اور پانسے (یہ سب) گندے اور شیطانی کام ہیں۔ پس ان سے بچو تا کہ فلاح پاؤ'' (سورۃ المائدہ: ۹۰)

مگر شراب پینے والوں کی بدبختی کی حد یہ ہے کہ مسلمان بھی کہلاتے ہیں اور اپنے اندر کی خباثت کی تسکین کے لیے شعائرِ اسلام سے نفرت کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ اور اس طرح کی ہفوات بکتے ہیں کہ

فقیہِ شہر سے مَے کا جواز کیا پوچھیں
کہ چاندنی کو بھی حضرت حرام کہتے ہیں
نہ پینا حرام ہے نہ پلانا حرام ہے
پینے کے بعد ہوش میں آنا حرام ہے
زاہد! شراب پینے دے مسجد میں بیٹھ کر
یا وہ جگہ بتا کہ جہاں پر خدا نہیں

فکرِ سود و زیاں چھوٹے گی
منّتِ این و آں چھوٹے گی
خیر دوزخ میں مَے ملے نہ ملے
شیخ صاحب سے جاں چھوٹے گی
زاہد! نہ خود پیئو نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی!

ان میں کوئی کہتا ہے: ''شادی جسم فروشی کا سب سے مہنگا ادارہ ہے۔''
کوئی کہتا ہے: میں اللہ میاں کی اتھارٹی ہوں۔
کوئی کہتا ہے: ہاتھ کاٹنا وحشیانہ سزائیں ہیں۔
کوئی کہتا ہے: بقرہ عید پر قربانی پیسے کا ضیاع ہے۔
کوئی کہتا ہے: شراب پیتا ہوں۔ غریبوں کا خون نہیں پیتا۔
کوئی کہتا ہے: مجھے وحی آتی ہے۔
کوئی کہتا ہے: نکاح ایک فرسودہ رسم ہے۔
کوئی کہتا ہے: ادب میں مذہب کے لیے کوئی جگہ نہیں۔
کوئی کہتا ہے: مجھے گول مٹول تر شے ہوئے چہرے بہت خوبصورت لگتے ہیں۔

تو کوئی نشے میں دُھت ہو کر اذان کو کٹروں کوں، داڑھی کو کلغی اور دار العلوم کو ڈرب العلوم کا نام دیتا ہے۔

ان میں کوئی صافی شاعر ہے تو کوئی ''صوفی شاعر''۔ کوئی بغلوں میں کتے لیے پھرتا ہے۔ کوئی بے مثال ہے تو کوئی عرسی قوال ہے۔ کوئی کتابوں کا ڈاکٹر ہے تو کوئی حسن کی اولاد کہلاتا ہے۔ کوئی حضور فیض گنجور، آنکھ اوجھل، پہاڑ دور ہے۔ اور کوئی چہرہ ہے پچکا ہوا اور ذہن سے معذور ہے۔ کوئی انگریزوں کا خو کاشتہ پودا ہے تو کسی کو سوقیانہ شاعری کا سودا ہے۔ کوئی پھٹی ہوئی کتاب کا پشتہ ہے تو کوئی دخت رز کا کُشتہ ہے۔ رات کے تاریک سناٹے کی پیداوار یہ لوگ کہ جن کی رگو میں خون کے بجائے شراب دوڑتی ہے، ایسا ہذیان بکتے اور اللہ کے خوف کو آگ دکھاتے ہیں اور

حشر میں کیا منہ دکھلائیں گے ظالم
شرم ان کو مگر نہیں آتی!

ابوطلحہ عثمان ایم اے

بڑا گدھا

وہ ایک گدھا تھا۔ بہت بڑا گدھا۔ اتفاق سے اُسے ہاتھیوں کے سردار کی کھال ہاتھ لگ گئی۔ اس ہاتھی نے کوئی ڈیڑھ ہزار سال قبل اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حرمِ الٰہی پر حملہ کیا تھا اور نبی الملاحم کی آمد سے پیشتر ہی وادی مُحسّر میں ننھی ابابیلوں کی کنکریوں کا شکار ہوگیا تھا۔ اب یہ کھال بھی فرعون کی لاش کے ہمراہ قاہرہ میوزیم میں عبرت کے لیے رکھی ہوئی تھی مگر بڑے گدھے نے عبرت لینے کی بجائے اسے اوڑھا اور بغیر اجازت ہی لے بھاگا۔ اس نے اپنے ساتھی گدھوں کو آواز دی۔ سب گدھوں نے اسے اپنا بڑا تسلیم کرتے ہوئے ہر طرح اس کا ساتھ دینے کا اعلان کیا۔ بڑا گدھا پہلے کئی جگہ مثلاً ویتنام وغیرہ میں مار کھا چکا تھا مگر گدھوں کی فطرت ہے ''مار کھاتے رہو، دولتیاں مارتے رہو۔'' عقل کی رَتی تو ان کے پاس ہوتی نہیں......

جعلی سفید ہاتھی کی تاج پوشی کی گئی۔ اس کی سربراہی میں ایک خوف ناک ''یونائیٹڈ گدھا فورس'' تشکیل دی گئی۔ اپنی بڑائی کے زعم میں سفید ہاتھی نے افغانی پہاڑوں سے ٹکرانے کا اعلان کر دیا۔ چالیس گدھے اپنی مکروہ آواز کے ساتھ اُس کے ہمراہ تھے۔ آس پاس کے علاقوں میں انسانی بستیاں بھی تھیں مگر سفید ہاتھی کی جعل سازی سے بے خبر ہر کوئی اس کے نام سے لرزاں اور ترساں تھا۔ ہاں افغانی پہاڑی لوگ اپنے پہاڑوں جیسے ایمان کی وجہ سے پہلے آلِ بوزنہ کے لنگوروں کو پھر برفانی سرخ ریچھ کو بدترین تباہی سے دوچار کر چکے تھے۔ آل بوزنہ اور سرخ ریچھ اب سفید ہاتھی کو آگے رکھ کر اپنا بدلہ لینا چاہتے تھے......

آل بوزنہ، سرخ ریچھ اور گدھوں کی حماقت اور عالمی امن دشمنی کسی کی ڈھکی چھپی نہیں، سفید ہاتھی یعنی بڑا گدھا تو آپے سے باہر ہو چکا تھا۔ اس نے پہلے اپنے ہی وطن میں دولتیاں مار کر ہزاروں کو موت کے گھاٹ اُتارا اور خود کو زخمی کر لیا تھا۔ ڈاڑھیوں، پگڑیوں والے پہاڑی انسان امن قائم کر چکے تھے کہ اچانک سفید ہاتھی اپنی جعلی چنگھاڑ کے ساتھ در آیا۔ یونائیٹڈ گدھا فورس اس کے پیچھے اپنی مکروہ آوازوں کے ساتھ قطار در قطار بڑھی چلی آ رہی تھی۔ انسانی آنکھ نے اس سے پہلے اتنی بڑی اور اتنی خوف ناک یونائیٹڈ گدھا فورس بھلا کب دیکھی تھی مگر داڑھی، پگڑی والے انسانوں کو صرف رب العالمین پر بھروسا تھا۔ حالانکہ اُن کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا اُن کی امیدوں کے مرکز کئی درجن بادشاہ بھی اُن کا ساتھ چھوڑ کر سفید ہاتھی کی یونائیٹڈ گدھا فورس کا ساتھ دے رہے تھے...... کسی ایک نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا تھا بلکہ یہ مظلوم انسان پڑوسی شاہ لنگور کے ظلم کا تو براہِ راست شکار ہو رہے تھے۔ لنگور حکمران نے اعلان کیا تھا: ''ہم نے ساری دنیا کا ٹھیکہ تو نہیں لیا ہوا۔''

وہ ہر نبی کے ہم شکل داڑھی پگڑی والے امن پسند مجاہد کو ڈالروں کے عوض سفید ہاتھی کے حوالے کر رہا تھا۔ سفید ہاتھی چنگھاڑ رہا تھا، چالیس گدھوں نے اپنی سمع خراش آوازوں سے طوفانِ بدتمیزی اُٹھا رکھا تھا...... گدھے اپنی دولتیوں سے خود ہی زخمی ہو رہے تھے کیونکہ ان کی دولتیوں کا اثر نہ پہاڑوں پر ہو رہا تھا نہ پہاڑوں جیسے مضبوط تر اہلِ ایمان داڑھی، پگڑی والے انسانوں پر۔

بارہ سال ہو چکے تھے بڑے گدھے نے سوچا یوں تو ساری دنیا سے گدھوں کی نسل ناپید ہو جائے گی۔ سفید ہاتھی اب نہایت عاجزی کے ساتھ واپسی کی راہ مانگ رہا ہے، اب وہ کمبل کو چھوڑتا ہے مگر کمبل اُس کی جان نہیں چھوڑ رہا...... گویا ایک بہت بڑا تالاب ہے جس میں اَن گنت گدھے گرے ہوئے ہیں۔ شاہ لنگور گرفتار ہو چکا ہے۔ مظلوم شہید بناتِ حفصہ کی ارواح مقدسہ نے اُس کے دن کا چین اور رات کی نیند حرام کر رکھی ہے۔ ایسے انجام سے اللہ کی پناہ......

شاہ لنگور کی جگہ آنے والا حکمران بھی کہتا ہے ''دہشت گردی کو ختم کرنا ہے، تالاب کو پاک کرنا ہے۔'' مگر شاید نہیں جانتا کہ جب تک سفید ہاتھی اور چالیس گدھوں کو تالاب سے نکال باہر نہ کیا جائے گا۔ نہ قانوناً تالاب پاک ہو گا نہ عملاً...... یونائیٹڈ گدھا فورس کے سب گدھوں کو گویا سانپ سونگھ گیا ہے۔ بڑا گدھا عرف سفید ہاتھی پہچانا جا چکا ہے۔ اس کی پہلے ہی سے پیوند زندہ وادیٔ محشر کی نشانِ عبرت کھال پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو چکی ہے اور ہاتھی ننگا ہو کر عین گدھا نظر آ رہا ہے۔

عطیہ الٰہی مرادِ رسول امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہم نام ''ملّا عمر'' کے قدموں میں گر کر بڑا گدھا معافیاں مانگ رہا ہے مگر جواب میں آواز آ رہی ہے، پہلے ہزاروں بلکہ اَن گنت دولتیوں کا حساب تو دو، کچھ یہاں پہاڑوں میں اور باقی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کے غاروں میں...... آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو۔

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی

سید عطاء اللہ شاہ بخاری (رحمۃ اللہ علیہ)

(وفات: ۲۱ راگست ۱۹۶۱ء)

''کے۔ ایل۔ گابا (کنہیا لال گابا) متحدہ ہندوستان کے معروف اور قابل قانون دان (بیرسٹرایٹ لا) تھے۔ ایک دولت مند ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے اور پھر اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے بیوی بچوں سمیت مسلمان ہو گئے۔ مولانا محمد علی جوہر نے کلمہ پڑھایا اور علامہ اقبال نے ان کا نیا نام ''خالد لطیف گابا'' رکھا۔ اس طرح قبولِ اسلام کے بعد بھی وہ کے۔ ایل۔ گابا کے نام سے پکارے جاتے رہے۔ ۱۹۳۵ء کے انتخابات میں مجلس احرارِ اسلام نے اُن کی حمات کی اور وہ کامیاب ہو کر اسمبلی میں پہنچ گئے۔ کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر بھی ایک کتاب لکھی۔ زیرِ نظر مضمون اُن کی خودنوشت سوانح ''اپنے اور پرائے'' سے ماخوذ ہے۔ حضرت امیر شریعت کے خلاف مشہور مقدمۂ بغاوت ۱۹۳۹ء (لدھارام کیس) میں ان کی طرف سے پیروی کی اور وہ باعزت بری ہوئے۔'' (مدیر)

سریندر ناتھ بینر جی، سری نواس شاستری، لالہ لاجپت رائے، مسز سروجنی نائیڈو، محمد علی جناح اور عطاء اللہ شاہ بخاری، ہندوستان کے عظیم خطیبوں کی صف میں شامل تھے۔ کئی پہلوؤں کے لحاظ سے عطاء اللہ شاہ بخاری ایک زمانے میں ہندوستان کے ایک انتہائی خوف ناک قسم کے مقرر تھے۔ اپنے عروج کے دور میں ان کا کوئی مقابل نہ تھا۔ ان کے لیے تین چار گھنٹوں کا خطاب، ایک عام بات تھی۔ لوگوں کا ایک بڑا ہجوم، بعض اوقات ساٹھ ہزار افراد، نہایت صبر وتحمل کے ساتھ ان کی تقریر سننے کا منتظر رہتا۔ عشا کی نماز کے بعد وہ جلسہ گاہ میں تقریر کے لیے داخل ہوتے اور پھر صبح سویرے جلسہ گاہ سے چلے جانے سے انکار کے باوجود اپنے سامعین کو گھروں میں جانے کے لیے کہتے تاکہ یہ لوگ اپنی نیند پوری کر سکیں۔ وہ چاہتے تو سامعین کو ہنسا دیتے، چاہتے تو رُلا دیتے، وہ چاہتے تو سامعین میں محبت پیدا کر دیتے اور چاہتے تو ان کے دل نفرت سے بھر دیتے۔ یہ سب کچھ وہ اس قدر آسانی کے ساتھ انجام دے سکتے تھے جس قدر آسانی کے ساتھ وہ اپنے سامعین میں پیار، ہمدردی اور رحم دلی کے جذبات پیدا کر سکتے تھے۔

عطاء اللہ کا لب ولہجہ اور تلفظ عربی تھا۔ وہ عربی، فارسی، اردو بول سکتے تھے۔ وہ انگریزوں سے نفرت کرتے تھے اور احمدیوں (قادیانیوں، مرزائیوں) کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ وہ کئی سال تک کانگرس کے ایک رہنما رہے اور کئی دفعہ قید خانے بھی گئے۔ بہر حال انہوں نے اپنی ان صلاحیتوں، نظریات اور قربانیوں پر کبھی فخر نہیں کیا اور نہ ہی ان سے کبھی ناجائز

فائدہ اٹھایا۔ آزادی کے بعد، کانگرس نے قومی آزادی کے ضمن میں جہاں تک ہوا مسلمانوں کے کردار کو کم کر کے پیش کرنے کی کوشش کی۔ عطاء اللہ بھی ان افراد میں سے تھے جنھوں نے قومی آزادی میں ایک عظیم کردار ادا کیا لیکن بے صلہ رہے۔

عطاء اللہ شاہ بخاری نے اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ ریاست بہاول پور میں گزارا جہاں ان کے پیروکار کافی تعداد میں موجود تھے۔ ایک مذہبی قائد کی حیثیت سے اُنہیں ریاست کے حکمران، نواب کی سرپرستی حاصل تھی۔[1] بخاری سیاست کے بجائے دینی امور پر بات چیت کو زیادہ پسند کرتے تھے، لیکن کانگرس اور ملک کی پکار پر وہ اپنے حجرے سے نکلے اور ستیاگرہ تحریک کی حمایت میں (دوسروں کو انتخاب جتوانے)، ایک شعلہ بیان مقرر کی حیثیت سے ملک کے لیے قربانی کے جذبات ابھارنے اور عوام کو سیاسی بے حسی سے باہر نکالنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔

جب ہندوستان بھی دوسری جنگِ عظیم میں کود پڑا تو پھر عطاء اللہ بخاری بھی انگریز کے مخالف کی حیثیت سے سامنے کھڑے تھے۔ اس وقت پنجاب کا وزیراعظم سرسکندر حیات خان تھا جو انگریزوں کا زبردست حامی تھا۔ سید عطاء اللہ بخاری نے موسم گرما ۱۹۳۹ء میں بہت سی تقاریر کیں اور راولپنڈی میں کی گئی ایک تقریر کے باعث ان کے لیے پھانسی کی سزا کی بنیاد تیار کرنا چنداں مشکل نہ تھا۔

لیکن بخاری ایک عام شخص نہ تھے، لہٰذا (جیسا کہ مبینہ طور پر اس وقت کہا جاتا تھا) سیکرٹریٹ میں، اپنے زمانے کے نہایت شعلہ نوا اور خطرناک خطیب سے نجات حاصل کرنے کے لیے ایک شیطانی منصوبہ بنایا گیا۔ ان پر شہنشاہ کے خلاف اعلانِ جنگ، یعنی غداری کا الزام تھوپ دیا گیا جو اس وقت فوجداری قانون کے تحت سب سے شدید جرم تھا، جس کی سزا موت یا عمر قید تھی۔

جنگ شروع ہونے کے فوراً بعد سید عطاء اللہ بخاری کو تعزیرات ہند (شہنشاہ کے خلاف اعلان جنگ) کی دفعہ ۱۲۱ کے تحت گرفتار کرلیا گیا اور یہ احکامات حکومت پنجاب کی طرف سے جاری کیے گئے تھے اور پھر انہیں کئی مہینوں تک زیر سماعت قیدی کی حیثیت سے قید خانے میں بند رکھا گیا۔ اور سنگین جرم کے باعث ضمانت پر رہا کرنے سے بھی انکار کر دیا گیا۔ الزام یہ لگایا گیا تھا کہ بخاری نے راولپنڈی میں ۳/جون ۱۹۳۹ء کی رات کو ایک تقریر کی جس میں دیگر چیزوں کے علاوہ انہوں نے انگریزوں کی طرف سے شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کے بیٹوں کے ظالمانہ قتل کا ذکر کیا، اور اب وقت آن پہنچا ہے کہ ہندوستان میں سے برطانوی راج کا خاتمہ کیا جائے۔ جس کے باعث ہندوستان کی آزادی کو پہلے ہی بہت نقصان پہنچ چکا ہے اور اب صرف ہندوستانیوں کو ہمت و ارادہ اور مسلسل کوشش کی ضرورت ہے تاکہ ملک سے غیر ملکی ظالموں اور قصابوں

[1] موصوف کو سہو ہوا ہے۔ صرف ریاست نہیں بلکہ پورا جنوبی پنجاب خاص طور پر ان کی جولان گاہ تھا۔ اس لیے کہ یہاں انگریز کی غلامی کے اثرات زیادہ تھے۔ خود اُنہی کے بقول: ''جدوجہد آزادی کے سفر میں ہندوستان کا چپہ چپہ چھان مارا، میں وہاں پہنچا جہاں دھرتی پانی نہیں دیتی تھی۔'' انہیں کسی نواب یا جاگیردار کی سرپرستی حاصل نہ تھی۔ ریکارڈ پر موجود ہے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے نواب بہاول پور کی طرف سے پیش کیے گئے دس ہزار روپے یہ کہہ کر واپس کر دیے تھے کہ ''فقیر کو ایک روٹی صبح اور ایک شام مل جاتی ہے۔ اللہ کا شکر ہے۔'' (مدیر)

کو نکال باہر کیا جائے۔انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ ''مارو یا مر جاؤ''۔ یہ تقریر شہنشاہ معظم کے خلاف اعلانِ جنگ تھی، باغیانہ تھی اور تعزیراتِ ہند کی دفعہ ۱۲۴ اور ۱۲۱ کے تحت قابلِ سزا تھی۔

سیاسی طور پر یہ معاملہ بہت ہی اہمیت کا حامل تھا کیونکہ عمومی طور پر یہی سمجھا جا رہا تھا کہ حکومت انہیں سزا دلوانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرے گی۔لہٰذا میں نے اپنی طرف سے بخاری کی جدوجہد کا اعتراف کرنے کے لیے، مسلمانوں کا دفاع کرنے کے لیے سوچا لیکن مجھے یہ بھی علم تھا کہ یہ معاملہ انتہائی ذمہ داری کا حامل ہے، اور اس معاملے میں عوام بہت زیادہ حد تک ملوث ہو چکے ہیں اور عطاء اللہ شاہ بخاری اس وقت اپنی مقبولیت کے عروج پر تھے۔اس وقت فضا جس قدر کشیدہ اور جذباتی سمجھی جاتی تھی، یہی سمجھا جا رہا تھا کہ یہ صورتِ حال اب دو طاقت ور شخصیتوں کے درمیان جنگ کی شکل اختیار کر چکی ہے، یعنی سر سکندر حیات وزیر اعظم، جو ایک بے رحم منتظم تھا اور دوسری شخصیت ایک بے باک، معزز اور مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن تھی۔

راولپنڈی کے ایک مجسٹریٹ نے ابتدائی تفتیش کی اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو غداری اور اعلانِ جنگ کے الزامات کا مرتکب قرار دیا۔اس معاملے کی اہمیت کے پیشِ نظر لاہور ہائی کورٹ نے سماعت لاہور منتقل کر دی اور حکم جاری کیا کہ اس مقدمے کی سماعت لاہور کے سیشن جج ڈی فالشا کے ذریعے ہوگی۔(بعد ازاں لاہور ہائی کورٹ کا چیف جسٹس)

فالشا میں تحمل اور برداشت بالکل موجود نہیں تھی اور وہ صبر کا دامن بہت جلد ہاتھ سے چھوڑ دیتا تھا، اس لیے اس کے سامنے دلائل کا بیان ایک مشکل امر ہوتا تھا۔لیکن کوئی بھی وکیل جو اس کے مزاج کو سمجھ جاتا، وہ اسے ایک بہترین جج پاتا جو ہر قسم کے تعصب سے مبرا ہوتا۔کسی فوجداری مقدمے میں کوئی بھی ملزم فالشا کے علاوہ اعلیٰ عدالتی معیار اور ایمانداری کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔اس مقدمے کی سماعت کا آغاز سیشن عدالت کے مرکزی کمرۂ عدالت میں ہوا جو کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔فالشا کے ساتھ چار عدالتی معاونین تھے۔عبدالعزیز (بعد ازاں لاہور ہائی کورٹ کا جج) تاج برطانیہ کی طرف سے استغاثہ کا خاص وکیل مقرر کیا گیا تھا۔ملزم عطاء اللہ بخاری کا وکیل بذاتِ خود میں تھا اور میری اعانت کے لیے راولپنڈی کا ایک وکیل چودھری مراد علی موجود تھا۔چودھری مراد علی ایک بہت ہی مفید معاون ثابت ہوا اور اسے ذاتی طور پر اس معاملے کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل تھیں، اس لیے میں نے ایک غیر متوقع قدم اٹھاتے ہوئے اسے صفائی کا گواہ بنانے کا خطرہ مول لینے کا فیصلہ کر لیا۔خوش قسمتی سے میرا یہ قدم درست ثابت ہوا اور مراد علی نے ججوں اور عدالتی معاونین کو بہت متاثر کیا۔بہر حال سماعت ختم ہونے سے پہلے بہت سے گواہان پر بھی جرح کی گئی۔صفائی کے گواہوں میں شمال مغربی سرحدی صوبے کا وزیر اعظم ڈاکٹر خان صاحب بھی شامل تھا۔

عطاء اللہ شاہ بخاری کو بری کر دیا گیا۔اس پر سب سے پہلے انہوں نے میرے دونوں رخساروں پر بوسہ دیا اور کمرۂ عدالت میں موجود لوگ بہت ہی خوش ہوئے۔فالشا نے صرف مسکرانے پر ہی اکتفا کیا۔

(''اپنے اور پرائے''، کے۔ایل۔گابا۔صفحات: ۲۹۰ تا ۲۹۳)

مترجم: ریاض محمود انجم

فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۰ء

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک یادگار واقعہ

روایت: مولانا غلام قادر رحمۃ اللہ علیہ

ناقل: ابن امیر شریعت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

مولانا غلام قادر رحمۃ اللہ علیہ ملتان کے قدیم علما میں سے تھے۔ انتہائی سادہ طبیعت اور درویشانہ وضع قطع کے حامل تھے۔ بیعت کا تعلق شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے تھا اور اُن کے خلیفہ مجاز تھے۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور متوسل حضرت مولانا خدا بخش ملتانی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے سسر تھے۔ کچہری روڈ گھنٹہ گھر کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد (مسجد پونگراں والی) میں امام وخطیب رہے۔ مختصر مگر عام فہم تقریر کرتے انہوں نے ''مدرسہ اسلامیہ فاروقیہ'' کے نام سے ایک ادارہ بھی قائم کیا جس کے وہ مہتمم تھے۔ مدرسہ فاروقیہ کا سالانہ جلسہ عموماً قلعہ کہنہ قاسم باغ میں ہوا کرتا جس میں ملک کے جید علما وخطبا کے بیانات ہوتے۔ مقررین کے انتخاب میں ان کا ذوق نہایت اعلیٰ تھا۔ خصوصاً ابناء امیر شریعت حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری اور حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحہم اللہ کو ہمیشہ سالانہ جلسے میں بلاتے اور ان کے خطبات سے عوام کو مستفیض ہونے کا موقع فراہم کرتے۔ مولانا غلام قادر رحمۃ اللہ علیہ ۵؍دسمبر ۱۹۸۹ء کو مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم ملتان میں تشریف لائے تو انہوں نے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق اپنے زمانۂ طالب علمی کا ایک یادگار واقعہ حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا جسے اُنہوں نے قلم بند کرلیا۔ یہ غیر مطبوعہ واقعہ پہلی مرتبہ شائع کیا جارہا ہے۔ انہوں نے ستر سال عمر پائی، ۲؍جون ۱۹۹۳ء کو انتقال ہوا۔ (مدیر)

۴۶ء میں کینجھر (شاہ جمال، ضلع مظفر گڑھ) میں پڑھا کرتا تھا۔ مجلس احرارِ اسلام کا جلسہ تھا، اُن دنوں مسلم لیگ اور احرار کا تقابل عروج پر تھا۔ حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر احرار زعما خصوصاً نواب زادہ نصر اللہ خاں بھی ہمراہ تھے، حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے ''فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ '' الخ تلاوت فرمائی اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرماں برداری کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ پھر گفتگو کا رخ سیاسیات کی

طرف پلٹ گیا۔ جب تقریر اپنے عروج پر پہنچی تو فرمایا:

''بٹوارہ مت مانو ورنہ بٹتے چلے جاؤ گے، بٹتے چلے جاؤ گے اور بٹتے چلے جاؤ گے۔ کہیں لسانی تعصّبات ابھریں گے، کہیں جغرافیائی تعصب سر اٹھائے گا، کہیں مذہبی طبقاتی کشمکش کا عفریت ننگا ہو کر ناچے گا۔ سندھی، بلوچی، پختون، پنجابی، بنگالی سب اپنا اپنا ملک مانگیں گے۔ دیوبندستان، بریلوستان اور شیعستان کے قیام کے مطالبے ہوں گے۔ حکمران اِن مطالبات کے سامنے عاجز اور بے بس ہو جائیں گے۔ امن ختم ہو جائے گا، سلامتی خطرے میں ہوگی اور قوم تقسیم در تقسیم کے کرب ناک عمل سے گزرتی رہے گی۔''

(موجودہ شاہ جمال) سابقہ کینجھر بستی ''مونڈ کا'' میں مولوی محمد قاسم بریلوی مکتبِ فکر کے متعصب و دریدہ دہن مولوی تھے، زندہ ہیں تو اللہ ہدایت دے، مر گئے ہیں تو اللہ معاف فرمائے۔ وہ شاہ صاحب کے وہاں جانے پر بہت سیخ پا ہوتے۔ لوگوں کو بہکاتے، ورغلاتے کہ مت جاؤ۔ عطاء اللہ شاہ بخاری ہندوؤں، سکھوں کا ایجنٹ ہے۔ اور اس بہکانے کے ''کارِ خیر'' میں وہ اس قدر جذباتی اندھے پن کا ثبوت دیتے ہوئے کہتے کہ جو شخص بھی عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر سننے جائے گا اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔

شاہ جی وقت مقررہ پر کینجھر پہنچ گئے، تقریر کا آغاز ہوا۔ شاہ جی دین و شریعت، قرآن و سنت، اطاعتِ نبوی اور ملک کے سیاسی حالات پر تقریر فرما رہے تھے۔ انگریز، اس کے حاشیہ برداروں اس کے مذہبی و سیاسی ایجنٹوں کو آڑے ہاتھوں لیا۔ اُن کے فکر و نظر اور نامعقول استدلال کی دھجیاں فضاء بسیط میں بکھیر دیں۔ تقریر جاری تھی ایسا سماں تھا کہ انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر یوں دم بخود تھا جیسے زمین میں گاڑی ہوئی میخیں ہیں۔ اچانک شاہ صاحب نے اُسی مولوی قاسم کا نام لے کر کہا:

''کہاں ہے وہ محمد قاسم جس نے یہ اول فول بکا ہے''

دو احرار کارکنوں نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر کھڑا کر دیا اور پکارے کہ شاہ جی یہ ہے وہ بدزبان، شاہ جی نے کہا بس اس کے لیے یہی کافی ہے اسے چھوڑ دو۔ انہوں نے چھوڑا تو وہ دھڑام سے بے سُدھ زمین پر گر پڑا۔ لوگوں پر عیاں ہو گیا کہ جو کل تک ہمیں کہتا رہا کہ ہندوؤں کا غلام ہے اس کی تقریر سننے نہ جانا ورنہ بیویوں کو طلاق ہو جائے گی۔ وہ خود بھی آیا ہوا ہے، اس کی بیوی بھی گئی!

☆......☆......☆

پروفیسر خالد شبیر احمد قسط: ۲۷

ورق ورق زندگی

پرنسپل صاحب سے آخری ملاقات:

میں دفتر میں گیا تو پرنسپل صاحب اکیلے اپنی کرسی پر تشریف فرما تھے۔ مجھے ساتھ والی کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا اور فرمانے لگے:

''دیکھو میں نے ایک سال تمہارے ساتھ گزارا ہے۔ تم ٹیچر تو بڑے اچھے ہو اور اکثر میں تمہارا لیکچر یہاں اپنے دفتر میں بیٹھ کر سنتا رہتا ہوں۔ لیکن تمہاری عادات ٹھیک نہیں ہیں۔ تم اپنی عادات کو تبدیل کرلو۔ ورنہ تمہارا یہاں پر ملازمت کرنا مشکل ہوگا۔''

میں نے جواباً عرض کیا:

''جناب پرنسپل صاحب! جن عادات کی تبدیلی کے بارے میں آپ ارشاد فرما رہے ہیں یہ تو میں نے بڑی محنت کر کے اپنائی ہیں۔ میں بھلا انہیں آپ کو راضی کرنے کے لیے کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟''

پرنسپل صاحب نے جواب میں کہا:

''نہیں تم ابھی جوان ہو، تم نے عمر گزارنی ہے اگر تم نے ان عادات کو نہ چھوڑا تو آئندہ آنے والی زندگی میں تمہارے لیے یہ مشکلات کا باعث بنیں گی۔''

میں نے کہا کہ:

''آپ میری آنے والی زندگی کے بارے میں زیادہ فکرمند نہ ہوں، آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں صاف صاف کہیں۔''

کہنے لگے:

''میں آپ کو چودہ دن کی مہلت دیتا ہوں، گھر جا کر ایک معذرت نامہ لکھیں اور مجھے یقین دلائیں کہ آپ جو کچھ اس ایک سال میں کرتے رہے ہیں آئندہ نہیں کریں گے۔ ورنہ پندرھویں روز آپ کو ملازمت سے برطرف ہونے کا حکم نامہ مل جائے گا۔''

میں نے جواب میں کہا:

''آپ یہ چودہ دن خواہ مخواہ انتظار میں رہیں گے، میں نے نہ کوئی غلط کام کیا ہے اور نہ ہی معذرت نامہ لکھوں گا۔ آپ مجھے اسی وقت فارغ کر دیں۔''

کہنے لگے: ''آپ مستعفی ہو جائیں۔''

میں نے کہا کہ ''میں کیوں مستعفی ہوں میں تو کام کرنا چاہتا ہوں۔'' انہوں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور پھر وہی الفاظ دہرائے کہ چودہ دن کے انتظار کے بعد آپ کو ملازمت سے برطرفی کا لیٹر مل جائے گا۔ میں نے کہا کہ بہت اچھا۔ میں چلا آیا اور تمام دوست جو میرا انتظار کر رہے تھے انہیں سب کچھ بتا دیا۔

گرمی کی چھٹیاں تھیں میں گھر آ گیا۔ اور عین پندرہویں دن مجھے ملازمت سے برطرفی کا لیٹر موصول ہو گیا۔ اس کے بعد جب فرسٹ ائیر کا نتیجہ آیا تو میرا نتیجہ سو فیصد رہا۔ اس پر انجمن نے پرنسپل صاحب سے کہا کہ ایک آدمی جو پہلے سال ہی اپنا نتیجہ سو فیصد تک لے گیا اسے کیوں برطرف کیا گیا۔ اسے دوبارہ بلایا جائے۔ ہیڈ کلرک نے میرے گھر مجھ سے اس سلسلے میں ملاقات کی اور کہا کہ کالج والے دوبارہ آپ کو نوکری پر بلا رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں نے جب چھوڑ دیا تو چھوڑ دیا۔ اللہ رزّاق ہے۔ محنت جو ٹھہری ہے تو کر لیں گے کہیں اور۔ اس طرح میرا اور چک ۳۳ گ۔ب کا عارضی رشتہ منقطع ہو گیا۔ جو پھر کبھی نہ جڑ سکا۔ لیکن مجھے ایک لمحہ کے لیے بھی یہ خیال نہیں آیا کہ میں نے کوئی غلط فیصلہ کیا۔ بعد میں آنے والے حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ اس وقت میرا یہ فیصلہ صحیح اور درست فیصلہ تھا۔ ورنہ میں شاید اُسی کالج کے اندر اسی طرح سر ٹکراتا رہتا جس طرح ایک سال تک ٹکراتا رہا۔ ہر کام میں اللہ کی حکمت ہوتی ہے اور جو وہ چاہتا ہے وہی بندے کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ زندگی میں پہلی نوکری ختم ہو گئی۔ اب دوسری نوکری کی تلاش شروع ہوئی۔ جس کے لیے روزانہ ''پاکستان ٹائمز'' کا مطالعہ کرنا پڑتا تھا۔ یہی ایک ذریعہ تھا کہ کہیں کسی کالج میں لیکچرر کی ضرورت ہو تو وہاں پر انٹرویو کے لیے جایا جائے۔ ایک دن میں نے پاکستان ٹائمز میں ایک عجیب وغریب نوکری کے بارے میں پڑھا۔ کہ ''کشمور'' میں کے جی انگلش سکول کے لیے ایک ٹیچر کی ضرورت ہے۔ بچوں کا سکول ہے اور ٹیچر کی تنخواہ لیکچرر کے برابر ہو گی یعنی 298=48+250 روپے، دوسری عجیب بات یہ تھی کہ انٹرویو کے لیے روہڑی جنکشن بلایا گیا تھا۔ اور تیسری عجیب بات یہ تھی کہ یہ بھی کہا گیا کہ آنے جانے کا کرایہ بھی دیا جائے گا۔ اُن دنوں میرے بچپن کے دوست مشتاق نسیم دہرہ جو کراچی میں رہتے تھے اور چنیوٹ آئے ہوئے وہ میرے ساتھ ہی بیٹھے تھے۔ جب میں نے ''پاکستان ٹائمز'' میں یہ پڑھا تو میں نے اُس سے پوچھا کہ یار یہ کشمور کہاں ہے۔ ہم نے تو صرف کشمیر کا نام ہی سن رکھا ہے یہ کشمور کا نام تو میں نے زندگی میں پہلی دفعہ ہی سنا ہے۔ وہ جانتا تھا کہنے لگا یہ تو یہاں سے بہت دور سندھ کا بہت بڑا قصبہ ہے۔ جس پر سندھ کی سرحد ختم ہو جاتی ہے۔ اور بلوچستان کا صوبہ شروع ہو جاتا ہے۔ ایک دفعہ تو میں یہ سن کر پریشان سا ہو گیا کہ اتنی دور کون جائے۔ لیکن پھر خیال آیا کہ انٹرویو کے لیے تو انہوں نے روہڑی ریلوے جنکشن بلایا ہے اور پھر آنے جانے کا کرایہ بھی ملے گا تو انٹرویو دینے میں کیا قباحت ہے۔ انٹرویو دینے تو جانا چاہیے چنانچہ میں اس مقرر دن کے لیے رخت سفر باندھ کر تیار ہو گیا اور انٹرویو دینے والے دن ہمیں روہڑی جنکشن کے ایک خوبصورت کمرے میں بٹھایا گیا۔ میرے علاوہ اور بھی بہت سے اُمیدوار وہاں پر موجود تھے۔ میری باری آئی اور انٹرویو ہو گیا۔ کہا گیا کہ انٹرویو سے فارغ ہونے والے امیدوار انتظار کریں۔ جب سب کا انٹرویو ہو گیا تو پھر ہمیں آنے جانے کا کرایہ

دے دیا گیا اور ساتھ ہی کہا گیا کہ ابھی ہم نے یہ فیصلہ نہیں کیا کہ کس امیدوار کو ہم نے نوکری کے لیے رکھنا ہے۔اس کی اطلاع آپ کو بعد میں دی جائے گی۔ہم سب کے گھر کے پتے انہوں نے نوٹ کر لیے اور ہمیں کہا گیا کہ آپ تشریف لے جائیں۔ اطلاع بعد میں آپ کو دے دی جائے گی۔ چنانچہ میں بھی واپس آ گیا۔اس وقت تک میرے دوست مشتاق نسیم دہرہ چنیوٹ میں ہی تھے انہوں نے پوچھا کہ انٹرویو کیسا رہا میں نے کہا کہ انٹرویو تو اچھا رہا لیکن نوکری کے لیے بعد میں کوئی اطلاع آئے گی۔

بہرحال یہ بھی بڑی حیران کن بات تھی کہ ایک ہفتہ کے ہی بعد ایک ٹیلی گرام میرے نام آئی جس میں یہ پیغام تھا کہ ہم نے آپ کو کے۔جی انگلش سکول کے لیے بطور پرنسپل منتخب کر لیا ہے۔آپ ایک ہفتے کے اندر کشمور کالونی نمبر 1 جہاں پر یہ سکول ہے وہاں پہنچ کر اپنی نوکری کے لیے رپورٹ کریں۔اب تو میں سوچ میں پڑ گیا کہ یہ کیا۔ بلایا ٹیچر کے لیے تھا۔دے دی گئی ہے پرنسپل شپ اور پھر یہ تو مجھے پتہ ہی نہیں ہے کہ کشمور ہے کہاں اور کس طرح وہاں جانا ہے۔اس پر میں نے اپنے دوست سے مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ بیکاری سے تو یہ دوری زیادہ تکلیف دہ نہیں ہے۔اب تو بھابھی کے ساتھ تمہارا ایک لڑکا بھی ہے تمہیں وہاں جا کر نوکری کرنی چاہیے لیکن میں نے کہا کہ میں وہاں کیسے جاؤں گا مجھے تو اس جگہ کا سرے سے علم ہی نہیں، اس نے کہا کہ میں خود تمہیں چھوڑنے وہاں جاؤں گا اور تمہیں کشمور چھوڑ کر میں وہیں سے واپس کراچی چلا جاؤں گا۔ میں یہ سفر کی تکلیف تمہاری دوستی کی نذر کرتا ہوں تم اس سفر کے لیے اپنا ذہن تیار کر لو۔اب میرے پاس کشمور نہ جانے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ کشمور جاؤں گا۔

کشمور روانگی:

چنانچہ ہم دونوں چنیوٹ سے لائل پور آئے اور بذریعہ ٹرین روہڑی پہنچے وہاں سے ہم نے ایک دوسری گاڑی پکڑی جو ہم دونوں کو شکار پور لے آئی۔ شکار پور ریلوے سٹیشن سے ہم باہر آئے تو کسی سے پوچھا کہ کشمور کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ بتایا گیا کہ اڈہ سے ایک بس پکڑو جو آپ کو ''کندکوٹ'' سے آگے کشمور پہنچائے گی۔ چنانچہ ہم بذریعہ بس شکار پور سے کندکوٹ پہنچے۔کندکوٹ تو پہنچ گئے لیکن اس کے لیے کافی دیر لگا دی گئی بس بہت آہستہ چل رہی تھی۔کندکوٹ ڈرائیور نے روٹی کھائی اور ہوٹل کی چارپائی پر ہی سو گیا۔اب ہم ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر ہنس رہے تھے۔کہ ڈرائیور صاحب تو سو گئے ہیں اور سفر ابھی باقی ہے۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ ان کا یہاں پر ایک گھنٹے کا پڑاؤ ہے۔بس پھر کیا تھا ہم بھی ادھر اُدھر چلتے پھرتے رہے کبھی بیٹھتے کبھی اُٹھتے وہ گھنٹہ پورا ہوا تو ڈرائیور صاحب نے سفر پھر شروع کیا۔ میں نے کسی سے پوچھا کہ شکار پور سے کشمور کتنے میل کی دوری پر ہے تو بتایا گیا کہ تقریباً نوے میل دور ہے۔لیکن ہم چھے سات گھنٹوں سے سفر میں تھے اور منزل مقصود ابھی دور تھی رات کو کہیں ہم کشمور اور پھر وہاں سے تھوڑی دور اس کالونی میں پہنچے جہاں پر وہ سکول تھا جس کے لیے مجھے بطور پرنسپل چنا گیا تھا۔ہم نے سوشل ویلفیئر آفیسر کو اطلاع کر دی تھی کہ ہم فلاں دن کشمور کالونی نمبر 1 پہنچ رہے ہیں۔ چنانچہ ایک سندھی ٹیچر ہمیں اس کالونی میں جو ہمارا انتظار کر رہا تھا ملا اور اپنے گھر لے گیا۔ جہاں ہم نے رات آرام کیا

اور صبح میرا دوست تو کراچی کے لیے روانہ ہوگیا۔ میں نے سکول میں کام شروع کر دیا۔

یہ سکول ایک خوبصورت عمارت میں تھا۔ جس میں مرد اور خواتین دونوں بطور ٹیچر کام کرتے تھے۔ اور اس سکول میں زیادہ تر لڑکے اور لڑکیاں امریکہ، برطانیہ، جرمنی اور فرانس کے انجینئر جو کہ گڈو بیراج بنانے کے لیے آئے ہوئے تھے اُن کے ہی تھے۔ اس کے ساتھ ہی پاکستانی انجینئر اور ایس۔ڈی۔او وغیرہ اور دوسرا جو سٹاف تھا اُن کے بچے بھی پڑھتے تھے۔ یہ سکول پانچویں جماعت تک کا تھا اور جس کے بعد اُنہیں کیا کرنا تھا اس کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہ تھا۔

مجھے ایک بہت بڑا کوارٹر کالونی میں ہی دے دیا گیا تھا۔ میں کچھ دن وہاں اکیلا رہا تو مجھے احساس ہوا کہ اس اجنبی ماحول کے لیے ضروری ہے کہ میں اپنے بچے اور بیوی کو لے آؤں۔ اجنبی ماحول، کوئی ہم مزاج آدمی وہاں مجھے نہ ملا اور علاقہ بھی کچھ ایسا تھا کہ دل خوش نہ تھا۔ بس سوچ رہا تھا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ ویسے بھی مجھے بچے پڑھانے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ چند دنوں میں جن لوگوں سے بھی میری ملاقات ہوئی انہوں نے مجھے مایوس ہی کیا کہ اُن دنوں بھی لوگ پاکستان کے انجینئرز، ایس۔ڈی او اور دوسرے ایسے تمام سٹاف کے بارے میں کرپشن کی ہی باتیں کرتے تھے۔ ایسی باتیں سن کر طبیعت بیزار سی ہو جاتی تھی۔ چنانچہ واپس آیا، بیوی اور ساجد بیٹے کو ساتھ لے کر دوبارہ کشمور اور کوارٹر میں رہائش اختیار کر لی۔ سکول ٹائم کے بعد کوئی ایسی صورت نہ تھی کہ دن آرام سے گزر جائے۔ بس میاں بیوی اور بچے کے ساتھ ہی وقت گزرتا گیا لیکن ایک دن اچانک چھوٹا بھائی نصیر جو شاید پیدا ہی سفر کے لیے ہوا ہے کشمور میرے پاس آ گیا۔ میں حیران ہوگیا۔ کہ تم کیسے اکیلے یہاں آ نکلے ہو۔ کہنے لگا کہ یہ کون سا مشکل کام تھا۔ بس جی چاہا تو آ گیا۔ اس کے آنے سے گھر میں رونق تو ہوئی لیکن طبیعت بیزار ہی رہی۔

پھر یہ بھی ہوا کہ نصیر صاحب کا ایک سندھی نوکر جو کہ ساتھ والے کوارٹر میں سٹور کیپر تھا جس کا تعلق جڑانوالہ سے تھا اور ہمارا اُن کے ہاں آنا جانا بھی تھا کے ہاں کام کرتا تھا اُس سے جھگڑا ہوا۔ دو چار سندھی لڑکوں نے نصیر صاحب کو اچھا خاصا مارا پیٹا۔ وہ اچانک عجیب حال میں کہ کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور جسم پر زخموں کے نشان بھی تھے میرے پاس سکول آ گیا۔ میں اسے ساتھ لے کر کشمور تھانے گیا اور پولیس کے ذریعے اس سندھی کو تھانے بلوا لیا۔ اس سندھی نے کشمور کے ایک ہندو کو بطور سفارشی اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ نصیر بضد تھا کہ سندھی پر مقدمہ دائر کیا جائے اور اسے زیادتی کی سزا دی جائے۔ تھانیدار پنجابی تھا اور وہ مجھے علیحدگی میں لے گیا اور اس نے مجھے سمجھایا کہ اپنے بھائی کو سمجھاؤ۔ میں اس سندھی کو جوتے لگا کر اسے رخصت کرنا چاہتا ہوں اور یہ بضد ہے کہ اس کے خلاف ایف آئی آر درج کرائی جائے۔ شاید آپ کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ واقعہ 15-07 کا بنتا ہے اور اس دفعہ کے تحت آپ دونوں بھائی بھی اندر ہو سکتے ہیں اور یہ سندھی بھی۔ یہ سندھی تو ضمانت پر رہا ہو جائے گا لیکن تم دونوں بھائیوں کی یہاں پر ضمانت کون دے گا۔ میں نے نصیر کو سمجھایا۔ اس سندھی کو تھانے دار نے چند جوتے رسید کیے اور کہا کہ زمین پر ناک سے لکیریں کھینچ کر معافی مانگو۔ یہ سب اس نے کر دیا تو

سندھی کو چھوڑ دیا گیا اور ہم دونوں بھائی واپس گھر آئے ۔ میری بیوی کو بھی اس بات کا علم ہو چکا تھا وہ تمام دن پریشان رہی اور کہتی رہی کہ یہ آپ کہاں مجھے لے کر آ گئے ہیں ۔ میں نے اُسے سمجھایا کہ اب یہ سیشن تو پورا کرنا ہے امتحان ہوگا تو چھٹیوں میں ہم یہاں سے چلے جائیں گے ۔ میں نے کوئی ساری عمر یہیں یہ نوکری تو نہیں کرنی ۔

سوئی کی سیر:

سیشن ختم ہو گیا ۔ امتحان کا رزلٹ بھی تیار ہو گیا اور اس کا اعلان بھی کر دیا گیا ۔ ساتھ ہی ایک تفریحی ٹرپ کا پروگرام بنایا گیا کہ بچوں اور بچیوں کے ساتھ سکول کی طرف سے سوئی کی سیر کی جائے ۔ چنانچہ میں اور چند سکول ٹیچر سکول کے تمام بچوں کے ساتھ سوئی گئے جہاں سے گیس پہلی دفعہ نکلی تھی ۔ یہ بڑی اچھی جگہ تھی بلکہ اسے اچھا بنایا گیا تھا تا کہ ملازمین کا اس جنگل میں دل لگا رہے ۔ یہاں پر جو سٹاف بھی تھا انہیں بڑی اچھی رہائش دی گئی ۔ ہر قسم کی سبزی ترکاری سکھر سے بذریعہ جہاز یہاں پر آتی تھی ۔ اور اگر کسی سٹاف کے رکن کو چھٹی پر گھر جانا ہوتا تو بذریعہ جہاز اسے روہڑی پہنچانے کا بھی اہتمام کیا جاتا ۔ ہر طرف اچھے مکان اور اچھی کوٹھیاں تھیں اور تنخواہیں بھی بہت زیادہ تھیں ۔ میں نے سوئی میں ایک بڑے افسر سے ملاقات کر کے مزید معلومات حاصل کیں ۔ پوچھا کہ یہ سوئی گیس کس مقدار میں یہاں سے نکلتی ہے اور ہمارے ایندھن کی ضروریات کو کتنی مدت تک کام دے سکتی ہے؟

اس نے کہا کہ اگر پاکستان میں تمام ضروریات کو اس گیس سے پورا کیا جائے تو یہاں سے نکلنے والی گیس پاکستان کی تمام ایندھن کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ستر سال تک کافی ہے ۔

اس نے بتایا کہ جب گیس کو کنویں سے نکالا جاتا ہے تو اس میں گیس کے ساتھ کچھ مادہ قسم کی چیز بھی ہوتی ہے جسے ہم پیوری فیکیشن پلانٹ کے ذریعے گیس سے علیحدہ کر دیتے ہیں تا کہ پائپ لائن میں صرف صاف گیس ہی جائے اگر یہ گیس کے ساتھ رہ جائے تو پائپ لائن کو بھی تباہ کر دے اور جہاں جائے وہاں استعمال کرتے ہوئے بھی حادثے کے امکانات ہوتے ہیں ۔ یہ سب سے اہم کام ہے جس کے لیے ہمیں بڑی توجہ کرنی پڑتی ہے ۔ سوئی کا مقام بلوچستان میں ہے اور علاقہ بڑا عجیب و غریب سا جنگل ہے ۔ جنگل زمین کا رنگ بھی قدرے سرخ تھا اور اردگرد کوئی آبادی بھی نہیں ہے ۔ سوئی کشمور سے جانب شمال کوئی چالیس پچاس میل کا فاصلے پر ہے ۔ بہر حال صبح سے لے کر رات تک ہم سوئی میں ہی رہے اور رات کو واپس اپنی کالونی میں آ گئے ۔

سکول امتحان کے بعد پندرہ چھٹیوں کے لیے بند کر دیا گیا ۔ نصیر تو واپس چلا گیا تھا اور ہم دونوں میاں بیوی کشمور سے روہڑی اور روہڑی سے کراچی آ گئے اور پھر اس کے بعد کشمور نہیں گئے اس طرح یہ نوکری بھی خود بخود ختم ہو گئی ۔

کراچی میں چند دن اور پھر واپسی:

کراچی میں، میں نے اپنے دوست مشتاق نسیم دہرہ جو کہ شیخ برادری سے تھے اور میرے انتہائی اچھے دوستوں میں

شمار ہوتے تھے۔ خاندانی مراسم بھی اُن کے ساتھ تھے کے گھر ہی قیام کیا جو اس وقت ناظم آباد میں رہائش پذیر تھے۔ میں نے چونکہ خط کے ذریعے اسے اطلاع دے دی تھی اس لیے وہ کراچی ریلوے سٹیشن پر آئے اور ہمیں سٹیشن سے اپنے گھر لے گئے۔ کوئی ایک ہفتے تک ہم نے کراچی کی خوب سیر کی۔ کراچی میں میرے اپنے عزیز بھی رہتے تھے کچھ وقت اُن کہاں بھی ٹھہرے۔ میری چھوٹی بہن اور بہنوئی مختار کا وہاں اچھا خاص کاروبار تھا۔ اور پھر میرے چچا کے بیٹے رشید صاحب بھی وہیں نوکری کر رہے تھے اور میرے دوسرے چچا عبدالعزیز بھی کراچی میں تھے۔ ان سب کے گھر آنا جانا رہا تو وقت اچھا گزر گیا۔

کراچی، میں اپنی زندگی میں کئی مرتبہ گیا ہوں اور یہ میرا جانا دوسری مرتبہ تھا۔ پہلی مرتبہ 1954ء میں پنجاب یونیورسٹی ہاکی ٹیم کے ساتھ گیا تھا کہ کراچی میں انٹر یونیورسٹی ہاکی ٹورنامنٹ میں شرکت کرنا تھی۔ اس وقت کراچی کشمیر ہوٹل جو سٹی سٹیشن کے ساتھ تھا میں قیام پذیر ہوئے۔ اور تقریباً بیس پچیس روز تک اس ہوٹل میں ٹھہرے رہے۔ اسی قیام کے دوران منیر ڈار اور ذکاء الدین کے ساتھ دوستانہ ہوا۔ جو بعد میں پاکستان ہاکی ٹیم میں کافی مدت تک کھیلتے رہے اور بین الاقوامی سطح پر انہوں نے بطور ہاکی کھلاڑی نام کمایا۔ منیر ڈار سے تو بعد میں خصوصی تعلق رہا۔ اکثر ایک دوسرے سے ملتے رہے۔ بڑا ہنس مکھ تھا۔ ہمیں اپنی عجیب وغریب باتوں سے محظوظ کرتا اور ہم انتہائی دل چسپی کے ساتھ اس کی باتیں سن کو خوب لطف اندوز ہوتے تھے۔ اس کھلاڑی کی ایک خاص بات یہ تھی کہ جس سال اس نے میٹرک کا امتحان پاس کیا اسی سال یہ گورنمنٹ کالج لاہور کی ٹیم میں شامل ہوا، اسی سال یہ پنجاب یونیورسٹی ہاکی ٹیم کا رکن منتخب ہوا۔ اسی سال یہ پاکستان ریلوے کی ٹیم کے رکن کی حیثیت سے چن لیا گیا اور اسی سال یہ پاکستان ہاکی ٹیم کے لیے چنا گیا۔ بطور فل بیک ہاکی کی تاریخ میں منیر ڈار ایک بہت بڑا نام ہے۔ اس طرح ذکاء الدین نے بھی پاکستان ہاکی ٹیم میں شمولیت کے بعد بطور ان سائیڈ رائٹ ایک نمایاں حیثیت اختیار کر لی۔ بعد میں بطور مینجر پاکستان ہاکی ٹیم کے ساتھ وہ اکثر دوسرے ممالک میں پاکستان ہاکی ٹیم کے ساتھ بھی جاتے رہے۔ پہلے یہ دونوں کھلاڑی ریلوے میں ملازم ہوئے تھے بعد میں پولیس میں بھرتی ہو گئے۔ ذکاء الدین کا بنیادی تعلق اسلامیہ کالج لاہور سے تھا۔ جہاں سے اس نے ہاکی کھیلنا شروع کی۔ کراچی سے جب واپس آئے تو پھر وہی سلسلہ شروع ہو گیا کہ نوکری کی تلاش جس کے لیے ذریعہ پھر ''پاکستان ٹائمز'' ہی تھا۔ لیکن اس دفعہ کوئی جلدی کام بنتا نظر نہ آیا بہرحال کوششیں جاری رکھیں۔

امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ سے آخری ملاقات:

یہ غالباً 1959ء کا سن تھا کہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اپنے بڑے بیٹے مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری کے نکاح کے سلسلے (لائل پور) میں فیصل آباد آئے۔ میں ان دنوں فیصل آباد اپنے گھر والوں کے ساتھ مقیم تھا۔ میں نے بھی جامع مسجد کچہری بازار میں اس نکاح کی مقدس تقریب میں شرکت کی۔ میں اپنے چھوٹے بھائی باقر صغیر احمد کے ساتھ مسجد کے اس دروازے جس کے ساتھ مدرسہ اشاعت العلوم کا دفتر ہے داخل ہوا تو شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ مسجد کے باہر صحن میں

تشریف فرما تھے۔ کسی کو کہہ رہے تھے کہ اس مٹی کے لوٹے میں میرے لیے پانی لاؤ کہ اچانک اُن کی نظر ہم دونوں بھائیوں پر پڑی تو اس آدمی سے کہا: ''رہنے دو بھائی میرے اپنے بیٹے آگئے ہیں۔'' باقر صاحب تو پانی لینے چلے گئے اور میں آپ کے پاس بیٹھ گیا، سلام کیا اور پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے؟ اُن دنوں اُن کی صحت ٹھیک نہیں تھی۔ بیماری کا غلبہ کسی حد تک زیادہ دکھائی دے رہا تھا۔ میرے پوچھنے پر فرمانے لگے: ''تمھیں میری صحت سے کیا، تم کون ہوتے ہو میری صحت کے بارے میں پوچھنے والے؟ میری یہ حالت ہو رہی ہے اور کبھی تم نے تین پیسے کا خط بھی لکھا ہے کہ تیرے ابا کا کیا حال ہے؟''

یہ فقرہ ان کے لبوں سے میرے کانوں تک پہنچا تو میری حالت عجیب و غریب ہوگئی۔ میں انتہائی عجیب کیفیت میں مبتلا ہو گیا۔ یہ سوچ کر کہ اتنا بڑا آدمی مجھ ناچیز کے خط کا انتظار کرتا رہا اور میں تو ان کے اور اپنے درمیان جو ایک فرق تھا اس کے پیش نظر خط لکھنے کی جراءت ہی نہیں کر سکا مگر میں کیا سوچتا رہا اور وہ کیا سوچتے رہے۔ ایک دفعہ تو میرے پاؤں سے زمین نکل گئی لیکن سوچا کہ شاہ جی کو اس کا کیا جواب دوں۔ بالآخر میرے منہ سے یہی نکل سکا کہ شاہ جی مجھ سے غلطی ہوگئی ہے مجھے اللہ کے لیے معاف فرمادیں۔ بس میں نے اتنا کہا تو مجھے پیار کیا اور فرمایا نہیں بیٹا ایسی بھی کوئی بات نہیں گلہ تھا، گلہ شکوہ بھی تو وہیں ہوتا ہے جہاں تعلق ہو۔ اور یہ اُن کی بڑائی ایک بڑی دلیل ہے۔ پھر نکاح کے اجتماع میں نکاح کے بعد جب آپ مائیک پر دعا کے لیے تشریف لائے تو سامعین کا ایک بڑا مجمع ان کے سامنے تھا۔ ہر طرف سے ایک ہی آواز آ رہی تھی کہ شاہ جی تقریر، شاہ جی تقریر۔ شاہ جی کچھ دیر تک تو خاموش رہے پھر فرمایا:

''نہیں بھائی بہت ہو چکی ہیں تقریریں، اب کوئی حسرت باقی نہیں ہے۔ میں تو یہاں اپنے بیٹے کے نکاح کے لیے آیا ہوں اور دعا کے لیے کھڑا ہوا ہوں، آپ بھی میری دعا میں شامل ہوں کہ ہم دونوں خاندانوں کی اس نکاح کے بعد خوب نبھ سکے۔ اور اللہ ان میاں بیوی کو ایک اچھی اور دینی حوالے سے منفرد زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔''

اتنا کہا اور خاموش ہوگئے۔ پھر تقاضا ہوا کہ کچھ تو فرمائیں؟

بس پھر انھوں نے اپنی زندگی کی مختصر ترین تقریر کی۔ ان دنوں مصر کے جنرل ناصر کا بڑا چرچا تھا۔ جس نے انگریزوں سے نہر سویز چھین لی اور شاہ فاروق کے خلاف بغاوت کر کے اسے اس منصب سے معزول کر دیا تھا۔ برطانیہ کی فوجیں بھی میدان میں آئیں لیکن سویز پر جنرل ناصر کا قبضہ رہا۔ اور انگریزوں کو نہر سویز جو کہ ایشیا اور یورپ کے درمیان تجارت کا واحد اہم ذریعہ تھا کو چھوڑنا پڑا۔ تقریر کیا تھی بس ایک آدھ ہی فقرہ تھا:

''ہاں اب بھی میرے دل میں ایک اُمنگ سی اٹھتی ہے کہ خدا مجھے توفیق دے تو میں اپنے یار جنرل ناصر کے قصیدے پڑھوں، جس نے انگریزوں کو جوتے مار مار کر سویز سے بھگا دیا ہے۔''

اس حال میں بھی انگریزوں کے خلاف نفرت کی شدت اسی طرح بحال تھی۔ یہ تھی اُن کی وہ مختصر تقریر جو میں نے اس وقت سنی کہ جس کے بعد نہ انہیں دیکھ سکا اور نہ ہی ان سے کچھ سن سکا۔

شاہ جی جب مسجد سے واپس جانے لگے تو دروازے سے نکلنے سے پہلے کھڑے ہوگئے۔ ان کے ایک طرف مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری تو دوسری طرف میں بالکل ان کے ساتھ کھڑا تھا۔ دروازے پر اس لیے رک گئے کہ سامنے اُن کے جمِ غفیر تھا جو محض ان کے دیدار کے لیے اس راستے پر کھڑا تھا جس راستے سے انہوں نے گزرنا تھا۔ اس وقت انہوں نے اپنے بیٹے کو جو کچھ کہا وہ میرے ذہن میں ریکارڈ ہے جو سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہے:

''حافظ جی یہ جمِ غفیر دیکھ رہے ہو، یہ میرے لیے اپنی نظریں فرش راہ کیے ہوئے ہیں آخر کیوں؟ میں تو ایک فقیر ہوں، دوسرے وقت کی روٹی پر بھی قادر نہیں ہوں۔ یہ میرے پاس کیا لینے آجاتے ہیں۔ یہ سب لوگ مخلص ہیں۔ اللہ کی خوشنودی کے لیے میری بات کو سنتے ہیں۔ واللہ باللہ میں نے جب بھی انہیں دین کے لیے پکارا یہ سر پہ کفن باندھ کے میری آواز پر گھروں سے نکل پڑے۔

بیٹے! لوگ مرنے سے پہلے بیٹوں کے لیے بڑی بڑی جائیدادیں چھوڑ کر جاتے ہیں۔ میری جائیداد یہی لوگ ہیں جنہیں میں تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ اگر تمہارا رویّہ اِن کے ساتھ محبت والا رہا تو ان شاء اللہ یہ لوگ دین کے لیے تمہارے کام بھی آئیں گے۔''

کیا خوب بات ہے۔ کوئی دوسرا مجھے تو نظر نہیں آیا جو یہ بات اپنے بیٹے کو کہے اور پھر بیٹے نے بھی اپنے باپ کی اس نصیحت کی لاج رکھی۔ انہوں نے اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دین کے لیے جو کچھ کیا، لوگوں کی ہر ممکن مدد اس میں شامل رہی۔

شاہ جی پھر دروازے سے نیچے اتر کر لوگوں میں گم ہوگئے اور میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا۔ کچھ دور تک یہ اجتماع چلتا رہا کہ کچہری بازار میں وہ ایک کار میں سوار ہو کر میری نظروں سے ایسے اوجھل ہوئے کہ پھر انہیں کبھی نہ دیکھ سکا۔

کار گاہِ فکر میں تیرے تصور کو ثبات
بن گیا تیرا جنوں میرا اثاثۂ حیات
تیرے لفظوں کی روانی آبشاروں کا بہاؤ
یاد آتا ہے مجھے تیری خطابت کا رچاؤ
تو ہے روشن استعارہ نطق کے اعجاز کا
قلب کو گرما گیا شعلہ تیری آواز کا

(جاری ہے)

☆......☆......☆

''اُمت'' رپورٹ

ماہ رمضان میں قادیانیوں کی سرگرمیاں بڑھ گئیں

رمضان المبارک کے دوران کراچی میں قادیانیوں کی سرگرمیاں بڑھ گئیں۔ ارتدادی مقاصد کے لیے (کراچی) شہر میں واقع قادیانیوں کے 6 مراکز زیادہ فعال ہیں، جہاں غریب مسلمان خاندانوں کو خوراک، ملبوسات اور عید گفٹس دے کر انہیں گمراہ کیا جارہا ہے جبکہ کچی آبادیوں میں راشن کے تھیلوں کے ساتھ قادیانیت کا لٹریچر بھی تقسیم کیا جارہا ہے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ قادیانیوں کے امیر مرزا مسرور کی جانب سے قادیانی تبلیغی اداروں کو ہدایات ملی ہیں کہ ماہ رمضان میں غریب و نادار مسلمانوں کی مالی مدد کر کے اُنہیں قادیانیت کی جانب راغب کیا جائے۔ ذرائع کا دعویٰ ہے کہ ماہ رمضان میں قادیانیت کی تبلیغ کے لیے کروڑوں روپے تقسیم کیے گئے ہیں اور کراچی کے تبلیغی مراکز کو سات کروڑ سے زائد کی رقم دی گئی ہے۔

''اُمّت'' کو معلوم ہوا ہے کہ رمضان المبارک میں قادیانیوں نے شہر کے 6 علاقوں میں واقع اپنے مراکز سے ارتدادی سرگرمیاں تیز کر دی ہیں جن میں ڈرگ روڈ، محمود آباد، صدر، طارق روڈ، شاہ فیصل کالونی اور گلشن حدید کے مراکز شامل ہیں۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ ان علاقوں میں مفت راشن اور عید گفٹ تقسیم کیے جارہے ہیں جبکہ سادہ لوح غریب مسلمانوں کے لیے سحری اور افطاری کے انتظامات بھی کیے گئے ہیں۔ ذرائع کے مطابق قادیانیوں کی جانب سے محمود آباد کی لیاقت اشرف کالونی میں نادار مسلم گھرانوں میں مفت راشن تقسیم کیا گیا ہے۔ لیاقت اشرف کالونی، جونیجو ٹاؤن، اعظم ٹاؤن اور کشمیر کالونی میں قادیانی تبلیغی ٹیم سفید رنگ کی ہائی روف میں علاقے میں راشن تقسیم کرتی ہے اور افطاری کے وقت دکانوں سے لوگوں کو بلا کر لے جاتے ہیں۔ غریب مسلم گھرانوں میں جو راشن کے تھیلے تقسیم کیے جارہے ہیں ان میں 10 کلو آٹا، 2 کلو چاول، ایک کلو چینی، ایک کلو گھی کی تھیلی، ایک پاؤ چائے کی پتی، چنے کی دال اور مسور کی دال کے علاوہ چاول اور دیگر اشیا ڈالی جاتی ہیں جبکہ تھیلے کے ساتھ ایک خاکی لفافہ بھی دیا جارہا ہے جس میں قادیانیوں کے مختلف تبلیغی کتابچے ہوتے ہیں۔

ان کتابچوں میں: ''میں اسلام کو کیوں مانتا ہوں''، ''جماعت احمدیہ کا تعارف''، ''مسیح اور مہدی کب آئیں گے''، ''امام مہدی کی صداقت کے دو نشان، چاند سورج گرہن''، ''جماعت احمدیہ کے عقیدے''، ''سلسلہ احمدیہ''، ''بانی جماعت احمدیہ کی دعوت مباہلہ''، ''جماعت احمدیہ ترقی کی شاہراہوں پر'' اور ''حضرت بانی جماعت احمدیہ کا عشق رسول'' عنوان کے کتابچے شامل ہیں۔ ذرائع کے مطابق محمود آباد میں جن لوگوں میں مفت راشن تقسیم کیا گیا، ان کے نام، پتے، شناختی کارڈ نمبرز اور فون نمبرز نوٹ کیے گئے اور انہیں کہا گیا ہے کہ جماعت کی جانب سے ہر ماہ راشن تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس لیے آپ سے رابطہ کر لیا کریں گے۔ ''اُمّت'' کو محمود آباد کے ایک رہائشی نے بتایا کہ اس قادیانی مرکز سے راشن کی تقسیم اور عیدی گفٹ دینے کا

سلسلہ پورے رمضان جاری رہتا ہے۔ جمعہ کی دوپہر لوگوں کی بڑی تعداد یہاں عبادت کے لیے آتی ہے۔ جبکہ مغرب کے وقت احمدیہ چینل کے ذریعے قادیانیوں کے تبلیغی پروگرام دکھانے کے لیے ابراہیم حیدری، کورنگی اور لانڈھی کی کچی آبادیوں سے غریب مسلمان خاندانوں کو بسوں اور کوسٹرز میں لایا جاتا ہے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ ڈرگ روڈ کینٹ بازار کے تبلیغی مرکز میں بھی غیر معمولی سرگرمیاں ہو رہی ہیں۔ یہاں جمعہ کی دوپہر مرکزی عبادت کے دوران اور مغرب کے وقت لوگوں کا خاصا رش دکھائی دیتا ہے۔ ڈرگ روڈ کے احمدیہ مرکز کے ساتھ فضل عمر میموریل ڈسپنسری اور ریسٹ ہاؤس بھی بنا ہوا ہے، جہاں شہر کے مضافاتی علاقوں کے علاوہ سندھ کے شہروں سے مرتد کیے جانے والے افراد اور سادہ لوح مسلمانوں کو مختلف ترغیبات دے کر لایا جاتا ہے۔ ذرائع کے مطابق اس قادیانی تبلیغی مرکز کی سیکورٹی انتظامات قادیانی تنظیم کے کارکن کرتے ہیں۔ اس قادیانی تبلیغی مرکز کے اطراف اور مرکزی دروازے پر 14 خفیہ کیمرے بھی لگے ہوئے ہیں جبکہ زیادہ رش کی صورت میں گلی کے دونوں اطراف اور چھت پر سیکورٹی بڑھا دی جاتی ہے۔ ماہ رمضان کے دوران اس مرکز میں افطاری کا بندوبست بڑے پیمانے پر کیا جاتا ہے۔ اس دوران کینٹ بازار میں کھڑے رکشہ ٹیکسی والوں اور دکانداروں کو افطاری کے لیے بلایا جاتا ہے اور افطار کے بعد یہاں پر احمدیہ ٹی وی چینل کے ذریعے قادیانیت کے درس کے پروگرام دکھائے جاتے ہیں۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ اس تبلیغی مرکز سے 50 سے زائد خواتین اور لڑکیوں کے گروپ شہر کے مضافاتی علاقوں اور کچی آبادیوں میں جا کر غریب خواتین کو مختلف قسم کے لالچ دے کر انہیں گمراہ کرتے ہیں۔ جبکہ قادیانی کارندے نوجوانوں کو بیرون ملک روزگار، مالدار گھرانوں میں شادی اور اچھے مستقبل کا جھانسہ دے کر مرتد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

''اُمّت'' کو معلوم ہوا کہ 2 رمضان کو یہاں پر غریب خواتین میں مفت راشن تقسیم کیا گیا تھا۔ ''اُمّت'' کو معلوم ہوا ہے کہ شہر میں سرکاری اسپتالوں کی خراب صورت حال کے باعث غریب شہریوں کی بڑی تعداد رفاہی اداروں کی ڈسپنسریوں کا رخ کرتی ہے، شہر میں فضل عمر میموریل ڈسپنسریوں کے نام سے قادیانیوں کا نیٹ ورک بھی چل رہا ہے جہاں مفت علاج کی آڑ میں لوگوں کا ایمان برباد کیا جاتا ہے۔ ان ڈسپنسریوں میں 10 سے 20 روپے کی پرچی پر علاج کے علاوہ ادویات بھی دی جاتی ہیں اور جن مریضوں کو آپریشن کی ضرورت ہوتی ہے انہیں مالی امداد دے کر قادیانیت کی جانب راغب کیا جاتا ہے۔ اطلاعات کے مطابق شاہ فیصل کالونی نمبر 3 میں عظیم پورہ قبرستان کے قریب نالے کے بالمقابل واقع عمارت میں قادیانی سرگرم ہیں جہاں ماہ رمضان کے دوران آنے والوں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے۔

''اُمّت'' کو ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ علاقے مکین اس کوشش میں تھے کہ یہاں سے قادیانی مرکز ختم کرایا جائے۔ تاہم اب اطراف کے علاقوں میں ایک درجن سے زائد قادیانی افراد نے پلاٹ اور گھر خرید لیے ہیں۔ اب اس مرکز میں شاہ فیصل کالونی، الفلاح ملیر، لانڈھی سے لوگوں کو تبلیغ کے لیے لایا جاتا ہے۔ اس مرکز میں عید کے کپڑے، گفٹ آئٹم اور مفت راشن کا لالچ دے کر سادہ لوح غریب مسلمانوں کو اس مرکز میں لایا جاتا ہے جہاں انہیں قادیانی بنانے کی

کوشش کی جاتی ہے۔ ذرائع کے مطابق، اس قادیانی مرکز کا ذمہ دار، مبشر احمد الفلاح کا رہائشی ہے اور اس مرکز سے سندھ کے مختلف شہروں میں قادیانی ٹیمیں روانہ کی جاتی ہیں۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ، اس مرکز میں کام کرنے والے دونو جوانوں، فرحان اور عدیل کا تعلق بدین سے ہے اور ان کو جرمنی بھیجنے کا لالچ دے کر یہاں پر لایا گیا ہے۔ ذرائع نے یہ بھی بتایا ہے کہ صدر کے علاقے پریڈی میگزین روڈ پر واقع قادیانی عبادت گاہ میں سال بھر اتنی سرگرمیاں نظر نہیں آتیں تاہم ماہ رمضان میں اس مرکز میں قادیانیوں کی تبلیغی سرگرمیاں بڑھ جاتی ہیں۔ اس علاقے میں چونکہ رہائشی فلیٹ کم ہیں اور زیادہ تر دکانیں ہیں، اس لیے افطار کے دوران دکانداروں کو قادیانی عبادت گاہ میں روزہ کھلوانے کے بہانے بلوایا جاتا ہے۔ علاقے کے ایک دکاندار فاروق نے بتایا کہ جمعہ کے روز یہاں پر قادیانیوں کا بڑا اجتماع ہوتا ہے۔ اس دوران ان کی اپنی سیکورٹی لگائی جاتی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ماہ رمضان کے دوارن یہاں پر شام وقت زیادہ گہما گہمی ہوتی ہے۔ لیکن افطار کے بعد جب قادیانیوں کا تبلیغی پروگرام شروع ہوتا ہے تو تمام گیٹ بند کر دیتے ہیں۔ فاروق کا کہنا ہے کہ دو روز قبل یہاں راشن بھی تقسیم کیا گیا تھا۔ اس دوران بہت سے سادہ لوح غریب مسلمان بھی امدادی سامان لینے کے لیے جمع ہو گئے تھے۔ قادیانی کارکنان ان سب کے نام، پتے اور فون نمبرز لکھ رہے تھے، تاکہ انہیں بعد میں جال میں پھانسا جاسکے۔

ایک دکاندار، جمال کا کہنا ہے کہ یہاں پر زیادہ تر دوسرے علاقوں سے لوگوں کو گھیر کر لایا جاتا ہے اور رات کے وقت خصوصی اجتماعات کیے جاتے ہیں جو دیر گئے تک جاری رہتے ہیں۔ نمائندہ ''اُمّت'' نے صدر کے قادیانی مرکز پر کسی ذمہ دار سے بات کرنا چاہی تو گیٹ پر موجود 65 سالہ شخص نے کہا کہ انتظامی عہدے دار، رات کے اوقات میں ہی آتے ہیں اور وہ کوئی مؤقف دینے کا مجاز نہیں۔ اس دوران کئی قادیانی نوجوان مرکز کے صحن میں اکھٹے ہو گئے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ آپ ادھر سے چلے جائیں اور ہمیں ڈسٹرب نہ کریں۔

اُمّت کو ملنے والی اطلاعات کے مطابق، گلشن حدید میں قادیانیوں کے قبرستان کے قریب واقع قادیانی مرکز میں آج کل کافی سرگرمیاں نظر آرہی ہیں۔ اس حوالے سے معلوم ہوا ہے کہ مبشر اور مرزا جواد احمد نامی دو افراد یہیں کے ذمہ دار ہیں اور اس مرکز میں پنجاب اور سندھ کے شہروں میر پور خاص، شورکوٹ، جھڈو، ماتلی سے قادیانی تبلیغی ٹیمیں آئی ہوئی ہیں۔ اس مرکز سے دو ٹیمیں صبح کے اوقات میں گڈاپ اور بن قاسم ٹاؤنز کے علاقوں میں جاتی ہیں اور افطار کے اوقات میں یہاں غریب مسلمانوں کو افطاری کرانے کے بہانے لایا جاتا ہے۔ جبکہ ماہ رمضان کے دوران ہر دوسرے روز یہاں پر مفت راشن تقسیم کرنے کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔ جبکہ 20 رمضان کے بعد یہاں پر عید کے کپڑے اور عید گفٹ آئٹم تقسیم کیے جاتے ہیں۔

''اُمّت'' کو معلوم ہوا ہے کہ یہاں پر جو بیمار افراد لائے جاتے ہیں انہیں گلشن اقبال اور شاہ فیصل کالونی کے قادیانی تبلیغی مراکز میں بھیجا جاتا ہے۔ جہاں علاج معالجہ کے دوران سادہ لوح افراد کو قادیانیت کی گمراہ کن تعلیمات کا درس بھی دیا جاتا ہے۔ ''اُمّت'' کو معلوم ہوا ہے کہ گلشن اقبال کا قادیانی تبلیغی مرکز ماہ رمضان کے دوران زیادہ فعال ہو چکا ہے

اوراس مرکز میں گلشن اقبال، گلستان جوہراور سہراب گوٹھ کے علاقوں کے علاوہ کچی آبادی کے مکینوں کو مفت راشن اور عید گفٹ آئٹمز کا لالچ دے کر گمراہ کیا جاتا ہے۔ ذرائع کے مطابق ماہ رمضان کے دروان قادیانی تبلیغی نیٹ ورک، سرجانی ٹاؤن، گڈاپ، بن قاسم، مچھر کالونی، بلدیہ، مشرف کالونی سمیت دیگر علاقوں میں بھی سرگرم ہوجاتا ہے۔

’’اُمّت‘‘ کومعلوم ہوا ہے کہ پی ای سی ایچ ایس بلاک 2 میں واقع قادیانی مرکز میں ماہ رمضان شروع ہوتے ہی سرگرمیاں بڑھ گئی ہیں۔ اس مرکز میں جمعہ کی خصوصی عبادت کے علاوہ افطاری کے بعد قادیانی تبلیغی اجتماعات ہوتے ہیں۔ اس مرکز میں کراچی کے پوش علاقوں ڈیفنس، کلفٹن، گلشن اقبال، بہادرآباد اور دیگر علاقوں سے بڑی تعداد میں لوگ گاڑیوں میں آتے ہیں۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ اس مرکز میں قادیانی تبلیغی اداروں کے لیے فنڈز جمع کیے جاتے ہیں۔ جبکہ شہر کے دیگر قادیانی مراکز کو لٹریچر بھی یہاں سے ہی فراہم کیا جاتا ہے۔

’’اُمّت‘‘ کو ذرائع نے بتایا ہے کہ بیرون ملک سے آنے والے قادیانی تبلیغی ذمہ دار یہاں آکر ٹھہرتے ہیں اور ماہ رمضان کے دوران جہاں ایم ٹی وی، احمدیہ چینل، زیادہ فعال ہوتے ہیں وہاں جرمنی، انگلینڈ اور دوسرے ممالک کے قادیانی اسکالر بھی اپنے گمراہ کن عقائد کے پرچار میں سرگرم ہوجاتے ہیں۔ (مطبوعہ: روزنامہ ’’اُمّت‘‘ ۱۶؍جولائی ۲۰۱۳ء)

الغازی مشینری سٹور

ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں

بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

ماہانہ مجلس ذکرواصلاحی بیان

29 اگست 2013ء
جمعرات بعد نماز مغرب

ابن امیرشریعت
حضرت پیرجی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
امیر مجلس احرار اسلام پاکستان

دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان

الداعی سید محمد کفیل بخاری ناظم مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان 061-4511961

ادارہ

اخبار الاحرار

اسلام آباد میں دینی تربیتی کورس میں عبداللطیف خالد چیمہ اور مولانا محمد مغیرہ کا خطاب

اسلام آباد (29۔جون) جامعہ محمدیہ F-6/4 اسلام آباد میں جاری تربیتی کورس کے شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے ممتاز علماء کرام، مذہبی سکالرز اور دانشوروں نے کہا ہے کہ دینی اقدار کے تحفظ کے لئے نوجوان نسل کو کمربستہ ہوجانا چاہیے، جدید وقدیم فتنوں سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ اہل دین سے وابستہ ہوا جائے، مولانا ڈاکٹر محمد الیاس فیصل (مدینہ منورہ) مجلس احرارِ اسلام کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ اور تحریک ختم نبوت کے رہنما مولانا محمد مغیرہ (چناب نگر) نے اپنے لیکچرز میں کہا کہ عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ ملک کے نظریاتی وجغرافیائی دفاع کے لئے ازحد ضروری ہے، انہوں نے کہا کہ قادیانی وطن عزیز کی سلامتی کے لئے سنگین خطرہ ہیں، لیکن بین الاقوامی طاقتیں، سیکولر لابیاں اور پاکستان کے مقتدر حلقے فتنہ ارتداد مرزائیہ کو پرموٹ کررہے ہیں، انہوں نے کہا کہ بھٹو مرحوم نے اڈیالہ جیل میں ڈیوٹی آفیسر کرنل رفیع الدین سے کہا تھا کہ ''قادیانی پاکستان میں وہی حیثیت حاصل کرنا چاہتے ہیں جو یہودیوں کو امریکہ میں حاصل ہے'' انہوں نے کہا کہ موجودہ حکومت بھی 1974ء کی قراردادِ اقلیت اور 1984ء کے امتناع قادیانیت ایکٹ پر عمل درآمد نہیں کروارہی، مقررین نے کہا کہ تحفظ ناموس رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قانون کے خلاف عالمی سطح پر خطرناک سازشیں ہورہی ہیں، ایسے میں دینی قوتوں کو صورتحال کا حقیقی ادراک کرکے بین الاقوامی سطح پر مؤثر لابنگ کے لئے کردار ادا کرنا چاہیے۔

ملتان میں خواتین کے لیے دوروزہ ختمِ نبوّت کورس

ملتان (۳/جولائی) مجلس احرارِ اسلام اور تحریک تحفظ ختمِ نبوّت کے مرکزی ناظم تبلیغ مولانا محمد مغیرہ (خطیب مسجد احرار، چناب نگر) ۲/جولائی ۲۰۱۳ء کو دارِ بنی ہاشم میں تشریف لائے۔ ۳/اور ۴/جولائی بدھ، جمعرات کو مولانا محمد یعقوب کی دعوت پر جامعہ فاطمۃ الزہراء گل زیب کالونی میں خواتین کو ختم نبوت پر لیکچرز دیے۔ کورس کے اختتام پر عقیدۂ ختمِ نبوّت کے تحفظ کی دعوت اور قادیانیت کی تردید ومحاسبہ پر مشتمل لٹریچر تقسیم کیا گیا۔

ختمِ نبوّت کانفرنس سیالکوٹ میں عبداللطیف خالد چیمہ کا خطاب

سیالکوٹ (4 جولائی) تحریک ختم نبوت کے رہنماء اور مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا ہے کہ امریکی استعمار کے سامنے دنیا بھر میں صرف مذہبی طبقات ہی ڈٹے ہوئے ہیں، 1953ء کی ختم نبوت کی تحریک میں دس ہزار شہداء نے قادیانی ارتداد کا راستہ خون دے کر روکا ورنہ یہ ملک قادیانی سٹیٹ بن چکا ہوتا، قادیانیوں کے مذہبی تعاقب کے ساتھ ساتھ سیاسی تعاقب بھی ازحد ضروری ہے وہ ختم نبوت یوتھ فورس پاکستان کے زیر اہتمام سیالکوٹ میں ختم نبوت کانفرنس سے خطاب کررہے تھے، انہوں نے کہا کہ پیپلز پارٹی نے اپنے دورِ اقتدار میں جو ''کارہائے نمایاں'' سرانجام دیے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ قادیانی فتنے کو اہم پوسٹوں پر تعینات کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ حاجی نمازی حکمرانوں نے تحریکِ ختم نبوت 1953ء کو کچلنے کے لیے ہلاکوؤں اور چنگیزوں کا کردار ادا کیا جبکہ بھٹو مرحوم نے قادیانیوں کو پارلیمنٹ کے فلور پر غیر مسلم اقلیت قرار دینے میں اہم کردار ادا کیا، انہوں نے کہا کہ پیپلز پارٹی

بھٹو مرحوم کے تحفظ ختم نبوت کے تاریخی کردار سے مسلسل انحراف کررہی ہے۔انھوں نے کہا کہ قانون تحفظ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بین الاقوامی سازشیں ہورہی ہیں گزشتہ اہتمام کریں گے ان دنوں برسلز میں عیسائی رہنماؤں کا ایک اجلاس ہوا جس میں 295۔سی کو ہدف بنایا گیا، انہوں نے کہا کہ پاکستانی حکمران اور سیاستدان اپنی صفوں سے قادیانی ایلیمنٹ کو نکال باہر کریں، انہوں نے کہا کہ قادیانی اسلام اور وطن دونوں کے دشمن ہیں، ان کے بارے نرم گوشہ رکھنے والے سیاستدان ملک وملت سے ہرگز مخلص نہیں ہوسکتے، عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا کہ چناب نگر (ربوہ) سمیت ملک بھر میں قادیانیوں بارے قوانین پر عملدرآمد نہیں ہو رہا، انہوں نے کہا کہ کلیدی اور بعض انتہائی حساس عہدوں پر قادیانی مسلط ہیں جبکہ قادیانی متفقہ آئینی حیثیت تسلیم کرنے کی بجائے پارلیمنٹ اور اعلیٰ عدالتوں کے فیصلوں کو ماننے سے مسلسل انکاری ہیں، انہوں نے کہا کہ قادیانی اپنی تعداد اور آبادی بتاتے وقت مرزا غلام احمد قادیانی کے فارمولے کے مطابق دجل وجھوٹ سے کام لیتے ہیں، حکومت کے لئے ضروری ہے کہ قادیانی ووٹروں اور قادیانیوں کی اصل تعداد سے قوم کو آگاہ کریں انہوں نے کہا کہ اسلام امن وآشتی کا مذہب ہے، ملک میں افراتفری امریکی مداخلت کا شاخسانہ ہے اور ملک کو ناکام ریاست دلوانے کی خطرناک سازش کا حصہ ہے، کانفرنس سے پیر جی سید شبیر احمد شاہ گیلانی، ختم نبوت یوتھ فورس پاکستان کے صدر سید محبوب احمد شاہ گیلانی اور دیگر مقررین نے بھی خطاب کیا، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ مولانا فقیر اللہ، جناب محمد آصف بھلی محمد امجد احرار، قاری مسعود احمد سعادت اور دیگر شخصیات بھی موجود تھیں اجتماع مولانا محمد عمران بشیر کی دعا پر اختتام پذیر ہوا۔

رمضان......قرآن اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا مہینہ ہے (سید محمد کفیل بخاری)

لاہور (۷ر جولائی) مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے مرکزی نائب امیر سید محمد کفیل بخاری نے ۷ر جولائی ۲۰۱۳ء بعد نماز مغرب مرکزی دفتر مجلس احرارِ اسلام میں استقبال رمضان المبارک کے عنوان پر درس قرآن کریم دیا۔انھوں نے کہا کہ رمضان المبارک زندگیوں میں انقلاب برپا کرنے، دلوں کو اللہ کی طرف موڑنے، اللہ کے ذکر سے دلوں کی ویران بستیوں کو آباد و منوّر کرنے، اعمال کی اصلاح ومحاسبہ کرنے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا مہینہ ہے۔انھوں نے کہا کہ یہ مہلت زندگی کے ساتھ ہے۔مرنے کے بعد تو نماز، روزہ، تلاوتِ قرآن اور دیگر فرائض کی ادائیگی نہیں ہوسکے گی۔اللہ تعالیٰ نے یہ سنہری موقع عطا فرمایا ہے ہم اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں تو دنیا وآخرت سنور جائے گی۔انھوں نے کہا کہ رمضان اللہ کا مہمان اور قرآن کا مہینہ ہے۔اسی میں قرآن نازل ہوا۔اس مہینے میں ایمان والے قرآن پڑھنے اور سننے کا جتنا اہتمام کریں گے اس سے کئی گنا زیادہ اجر ملے گا۔اسی طرح رمضان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مہینہ ہے کہ قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر رمضان میں نازل ہوا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بہت زیادہ عبادت فرماتے اور بے انتہا سخاوت فرماتے۔اس لحاظ سے ہم پر فرض ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ ختم نبوت کے تحفظ، عقیدۂ ختمِ نبوّت کی تبلیغ ودعوت اور منکرین ختمِ نبوت قادیانیوں کی تردید، محاسبے اور تعاقب کے لیے اپنی ساری قوتوں اور صلاحیتوں کو صرف کردیں۔

حدود اللہ کے خلاف مہم فکری ارتداد ہے (عبداللطیف خالد چیمہ)

لاہور (8۔جولائی) تحریکِ ختمِ نبوت کے رہنما اور مجلس احرار اسلام پاکستان کے سیکرٹری جنرل عبدالطیف خالد چیمہ نے عاصمہ جہانگیر کی طرف سے قرآنی واسلامی سزاؤں کو ختم کرنے کے مطالبے کو عالمی استعماری ایجنڈے کا حصہ قرار دیتے ہوئے ہدف تنقید بنایا ہے صحافیوں سے بات چیت میں انہوں نے کہا کہ بظاہر انسانی حقوق کے نام پر کام کرنے والی عاصمہ جہانگیر کا یہ کہنا ہے کہ ''پھانسی یا ہاتھ کاٹنا احتساب نہیں'' دراصل جرائم اور جرائم پیشہ افراد کی حوصلہ افزائی ہے۔انہوں نے کہا کہ سزائے موت قرآنی وآسمانی

تعلیمات میں مقرر کی گئی ہے تاہم کسی بے گناہ کو سزائے موت کا اسلامی قوانین میں ہرگز کوئی تصور نہیں، انہوں نے کہا ہے کہ ایمنسٹی انٹرنیشنل یا انسانی حقوق کی تنظیموں کا یہ کہنا خلاف واقعہ ہے کہ سزائے موت یا اسلامی سزاؤں سے جرائم کی شرح میں کمی نہیں ہوئی ، سعودی عرب سمیت جن ممالک میں اسلامی سزاؤں کا قانون نافذ ہے وہاں جرائم کی شرح 99 فیصد کم ہے، انہوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا ہے کہ اسلامی سزاؤں اور تعزیزات کے خلاف پراپگنڈہ امریکہ، یورپ اور عالمی کفریہ طاقتوں کا ایجنڈا ہے اور کچھ لوگ اس کفریہ ایجنڈے کو آگے بڑھانے کے لئے ملکی سلامتی کو بھی داؤ پر لگا رہے ہیں، انہوں نے کہا کہ اسلامی سزاؤں اور تعزیرات پر تنقید بانیٔ پاکستان کے تصورات اور قیام ملک کی نفی ہے، اسلام اور اسلامی سزاؤں کے خلاف مہم فکری ارتداد ہے اور خلاف اسلام اس مہم کا راستہ روکنا دینی جماعتوں کی ذمہ داری ہے، انہوں نے مزید کہا کہ اگر سزائے موت ختم کرنے کے لئے موجودہ حکومت نے آئین میں ترمیم لانے کی کوشش کی تو متحدہ تحریک ختم نبوت رابطہ کمیٹی پاکستان مزاحمتی کردار ادا کرے گی، انہوں نے کہا کہ ن لیگ کی حکومت اسلامی نظریۂ حیات کو پروان چڑھائے ورنہ اِس کا حشر پیپلز پارٹی سے بھی بدتر ہوگا، انہوں نے مزید کہا کہ جرمنی میں وطن عزیز کے خلاف قادیانی سازشیں بڑھی ہیں جبکہ جرمنی میں پاکستانی سفارت خانے کی اِس حوالے سے کارکردگی مایوس کن ہے اور سفارت خانہ اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کر رہا انہوں نے بتایا کہ مجلس احرارِ اسلام جرمنی اور اسلامی رابطہ کونسل عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے حوالے سے جرمنی میں مسلمانوں کی نمائندگی کر رہی ہیں۔

شیخ محمد اکرم رحمہ اللہ کی یاد میں تعزیتی اجلاس

ساہیوال (25۔ جولائی) تحریک ختم نبوت ساہیوال کے قدیم کارکن شیخ محمد اکرم رحمتہ اللہ علیہ (اتحاد ریسٹورانٹ والے) کی یاد میں احباب کا تعزیتی اجلاس مرحوم کے لواحقین کی میزبانی میں سکیم نمبر 3 ساہیوال میں منعقد ہوا، عبداللطیف خالد چیمہ نے مرحوم کی تحفظ ختم نبوت کے حوالے سے خدمات پر روشنی ڈالی، قاری منظور احمد طاہر، قاری محمد قاسم چیچہ وطنی اور دیگر احباب نے بھی شرکت کی۔

یومِ تحفظ ختم نبوت کے مبارک موقع پر
سالانہ تحفظ ختم نبوت کانفرنس لاہور
توحید و ختم نبوت کے علمبردارو ایک ہو جاؤ! (سید ابوذر بخاریؒ)
7 ستمبر 2013ء ہفتہ، بعد نماز عشاء
دفتر احرار 69/c حسین سٹریٹ وحدت روڈ، نیو مسلم ٹاؤن لاہور
زیر صدارت
ابن امیر شریعت حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ
امیر مجلس احرار اسلام پاکستان
زعمائے احرار کے علاوہ تمام مکاتب فکر کے جید علماء کرام دینی جماعتوں کے رہنما اور دانشور خطاب فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ
احرار کارکن اور عوام بھرپور شرکت فرما کر کانفرنس کو کامیاب کریں
تحریک تحفظ ختم نبوۃ شعبہ تبلیغ مجلس احرار اسلام لاہور
0300-4240910
042-35912644

ادارہ

مسافرانِ آخرت

● مجلس احرار اسلام حلقہ قاسم بیلہ ملتان کے قدیم کارکن بھائی سعید احمد کے والد ماجد، انتقال: ۴؍ جولائی ۲۰۱۳ء بعد نماز مغرب سید محمد کفیل بخاری نے نماز جنازہ پڑھائی۔ احرار کارکنوں نے بھی شرکت کی۔

● ہمارے قدیمی دوست اور مہربان حافظ عرفان (باٹا شوز چوک کچہری ملتان) ۸؍ رمضان، ۱۸؍ جولائی، شب جمعہ انتقال کر گئے۔ مرحوم انتہائی صالح انسان تھے۔ نماز تراویح میں قرآن سنا کر گھر گئے، اچانک دل کا دورہ پڑا اور خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ موت پہلے اُن کی زندگی کا آخری عمل نماز تراویح میں قرآن کریم پڑھنا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مغفرت فرمائے۔ (آمین)

● ملتان میں ہمارے مہربان اور مجلس احرار کے کارکن محمد اسماعیل (خیاط) سورج میانی کے والد ماجد ۳۰؍ جون کو انتقال کر گئے۔

● نقیب کے محترم قاری، جناب رشید احمد حقانی (کوئٹہ) کے چچازاد اور شیخ الحدیث مولانا نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے فرزند محمد اسماعیل ۱۲؍ جولائی ۲۰۱۳ء کو کفار کے ایک حملے میں شہید ہو گئے۔

● ہمارے نہایت محترم بھائی سید محمد خاتم اندرابی (کراچی) کے حقیقی ماموں اور حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے ننھیالی خاندان کے بزرگ سید محمد سعید اندرابی پٹنہ (بھارت) میں انتقال فرما گئے۔

● چیچہ وطنی میں ہمارے میزبان رائے نیاز احمد خاں کے داماد رانا تنویر احمد 5 رجولائی کو امریکہ میں انتقال فرما گئے

● چیچہ وطنی کے چک نمبر 174-9 ایل کے سید محبوب حسین شاہ 9 رولائی کو انتقال فرما گئے، مرحوم اِنتہائی نیک سیرت انسان تھے خانقاہ سراجیہ سے منسلک تھے اور دار العلوم ختم نبوت اور دینی اداروں کے خصوصی معاون تھے

● محترم جناب سیف اللہ خالد (روزنامہ ''اُمت'') کے خالہ زاد بھائی ضیاء الرحمٰن 30 شعبان کو چک نمبر 47-12 ایل چیچہ وطنی میں انتقال فرما گئے

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے، حسنات قبول فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔ پسماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازے۔ (آمین) قارئین سے درخواست ہے کہ ایصالِ ثواب اور دعاءِ مغفرت کا خصوصی اہتمام فرمائیں (ادارہ)

دعائے صحت

- مجلس احرار اسلام سیالکوٹ کے قدیم کارکن جناب محمد اشرف صاحبِ فراش ہیں
- چنیوٹ میں محترم محمد حنیف مغل کا آپریشن ہوا ہے
- احرار ختم نبوت مشن برطانیہ کے صدر شیخ عبدالواحد (گلاسگو) علیل ہیں
- ہمارے محسن و کرم فرما جناب مسعود اختر صاحب (سلیمی دواخانہ، ملتان والے) کینیڈا میں شدید علیل ہیں
- لاہور میں قدیم احرار کارکن چودھری محمد اکرام صاحب علیل ہیں
- مجلس احرار اسلام کے قدیم کارکن عزیز الرحمٰن سنجرانی شدید علیل ہیں
- مدرسہ معمورہ کے سابق سفیر بھائی بشیر چغتائی شدید علیل ہیں

قارئین سے دعائے صحت کی درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مریضوں کو شفاءِ کاملہ عطاء فرمائے (آمین)

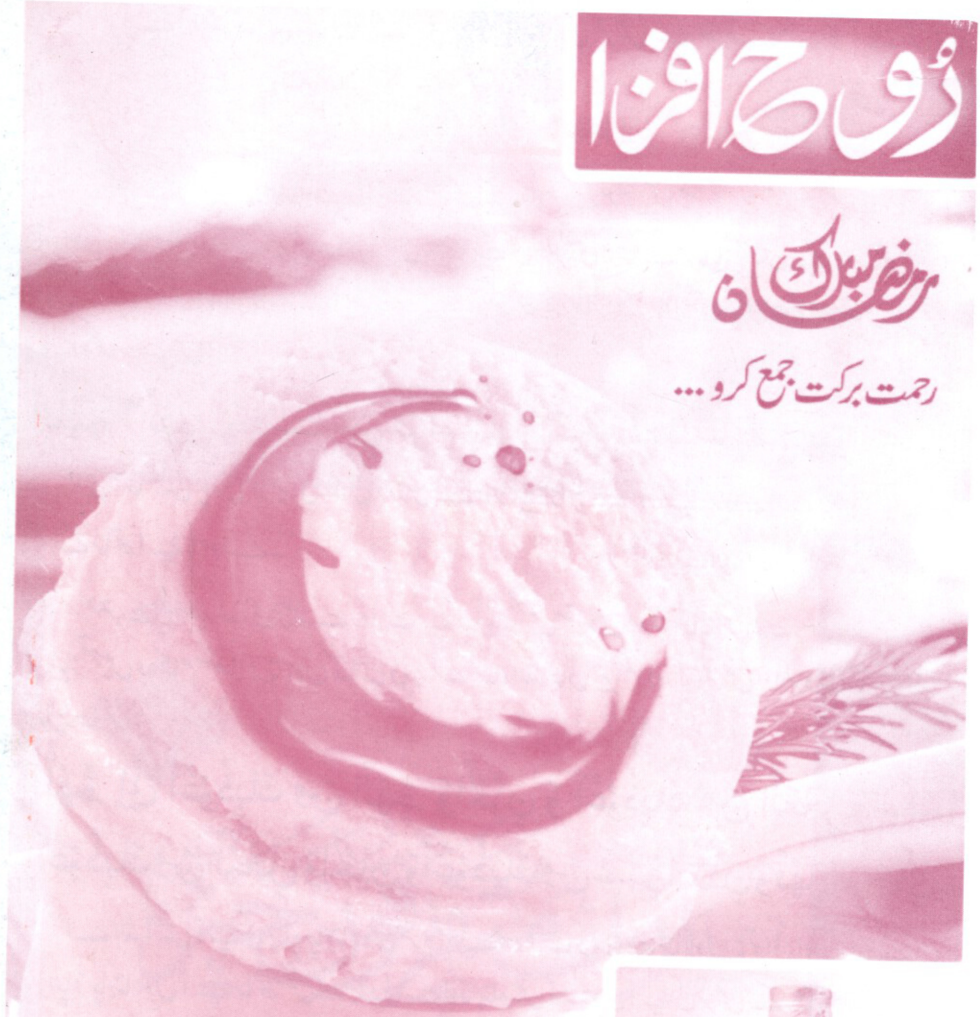
روح افزا
رمضان مبارک
رحمت برکت جمع کرو...
اور کیا چاہیئے!
ہمدرد
Brands of the year Award
2011-2012
SGS
SGS
Pakistan Standards
ROOH AFZA

آیئے! اللہ تعالیٰ سے دعا کے ساتھ سود اور سودی قرض کے خلاف جنگ کا آغاز کریں!

ادائیگی قرض کی دعائیں

۱) ...... حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غلام نے عرض کیا میں اپنے آقا کو رقم ادا کر کے جلدی آزادی چاہتا ہوں۔ آپ میری مدد فرمائیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں تجھے دو کلمے سکھلا دیتا ہوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھلائے تھے۔ اگر تجھ پر پہاڑ کے برابر بھی قرض ہوگا اللہ تعالیٰ ادا کر دے گا۔ وہ کلمات یہ ہیں:

اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔

''الٰہی! حاجتیں پوری کر میری حلال روزی سے اور بچا حرام سے اور بے پروا کر دے مجھ کو اپنے فضل کے ساتھ اپنے ماسوا سے۔'' (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات فصل دوم)

۲) ...... حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص مقروض ہوگیا تھا۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہیں وہ کلام سکھلا دیتا ہوں کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تیرا غم دور اور قرض ادا کر دے گا، صبح وشام یہ دعا پڑھا کرو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ۔

''اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں فکر وغم سے اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں ناتوانی اور سستی سے اور بچاؤ چاہتا ہوں آپکے ساتھ بخل اور بزدلی سے اور پناہ میں آتا ہوں آپ کی قرض کے غلبے اور لوگوں کے سخت دباؤ سے۔'' (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات فصل دوم)

مرتبہ مولانا محمد امین معلم اسلامیات Tel:041-8814908

دعاؤں کے طالب

CARE PHARMACY کئیر فارمیسی

Trusted Medicine Super Stores

Head Office: Canal View, Lahore

اَلْحَمْدُلِلّٰہ! فیصل آباد میں 9 برانچز آپ کی خدمت کیلئے 24 گھنٹے کھلی ہیں۔